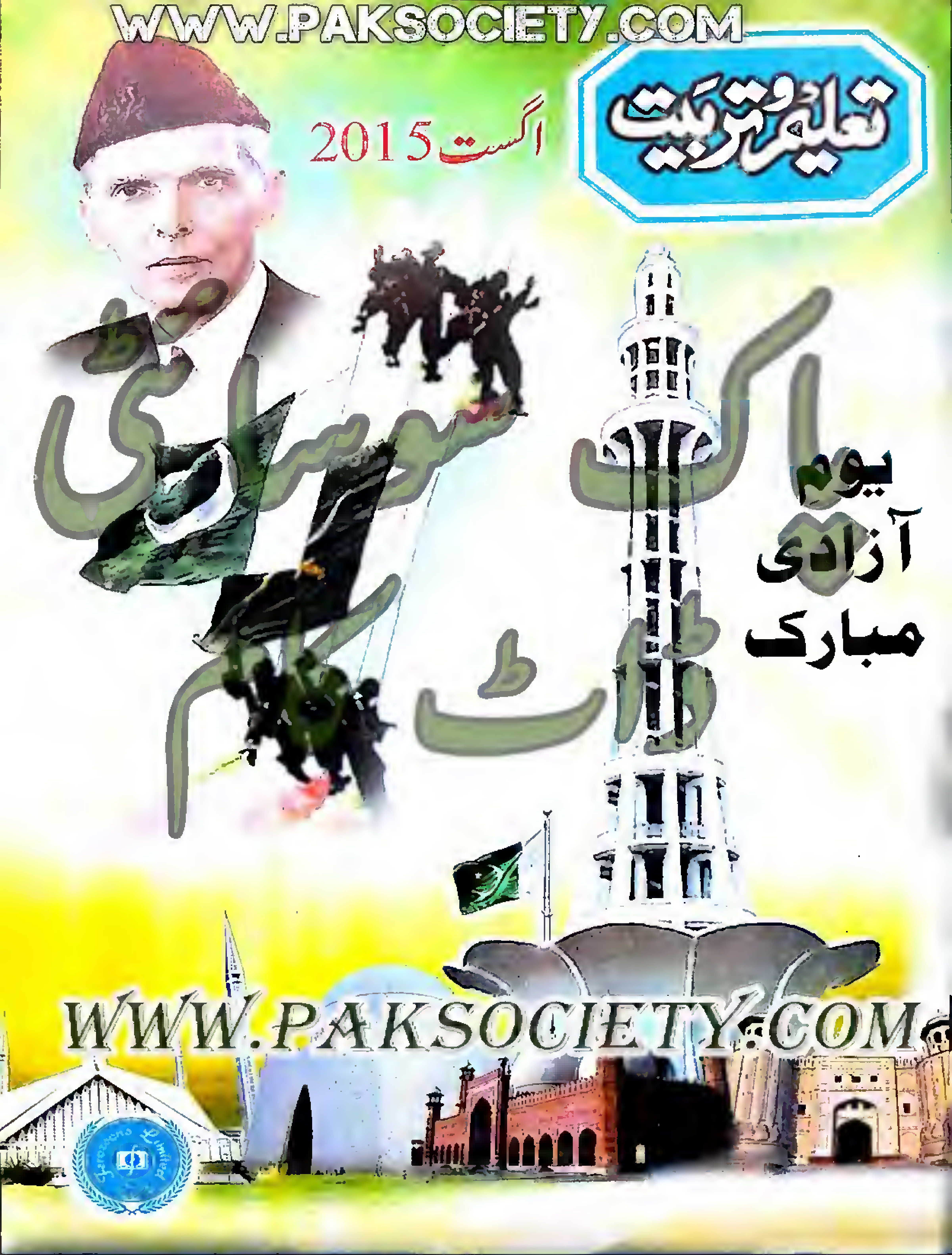

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

75 واں سال چوتھا شمارہ
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

تعلیم و تربیت

بچوں کا محبوب رسالہ
اگست 2015ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

کراچی میں رمضان المبارک کے آغاز میں شدید گرمی نے بجلی کی لوڈشیڈنگ اور پانی کی عدم فراہمی جیسے عفریت کے ساتھ مل کر ایک بہت ہی کم وقت میں گیارہ سو زائد شہریوں کی جان لے لی جب کہ اس سے زیادہ تعداد میں مریض مختلف اسپتالوں میں زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا رہے۔ شدید گرمی سے جاں بحق اور بری طرح متاثر ہونے والوں میں اکثریت معمر افراد اور بچوں کی تھی۔ اتنے بڑے پیمانے پر ہلاکتوں کی وجہ سے نہ صرف شہر کے مردہ خانوں میں لاشیں رکھنے کی گنجائش ختم ہوگئی بلکہ قبرستانوں میں تدفین کے لیے بھی جگہ کم پڑ گئی۔

کراچی کا یہ موسم کافی حد تک غیر معمولی تھا اور پاکستان کی تاریخ میں اس قسم کے حالات پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے۔ شہر قائد میں چند روز کے دوران گیارہ سو سے زائد افراد کی ہلاکت کو بعض افراد کی جانب سے گناہوں کی سزا یا قدرتی آفت بھی کہا جاتا رہا۔

ہزاروں سال پہلے یہودیوں کی کسی بستی میں قحط پڑ گیا۔ بستی کی ساری زمینیں بنجر ہو گئیں۔ سارے جانور ایک ایک کر کے مر گئے۔ سارے درخت سوکھ گئے اور انسان انسان کو کاٹ کر کھانے لگا۔ بستی کے لوگوں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعائیں کیں لیکن بارش نہ ہوئی۔ لوگوں نے دوسری بستیوں سے غلہ منگوایا لیکن اس غلے کو کیڑا لگ گیا۔ لوگوں نے نقل مکانی شروع کی تو انہیں کوڑھ کا مرض لاحق ہو گیا اور دوسری بستی کے لوگوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چناں چہ بستی کے لوگ گلیوں اور بازاروں میں بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے لگے لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے موت بھی ان لوگوں سے روٹھ گئی ہو۔ قحط کے اس دور میں کسی نے مشورہ دیا۔ ''فلاں فلاں گاؤں میں اللہ کا ایک نبی رہتا ہے، چلو چل کر اس سے دعا کرواتے ہیں۔'' بستی کے لوگ نبی کے پاس حاضر ہوئے اور ان کے سامنے گڑگڑانے لگے۔ نبی کو ان پر ترس آ گیا اور انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ابھی نبی نے دعا شروع نہیں کی تھی کہ ان پر وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ ان بدبختوں سے کہیں، ان کی بستی میں میرا ایک مقرب بندہ رہتا ہے اور انہوں نے دو سال سے اس کا حقہ پانی بند کر رکھا ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا بندہ بھوکا اور پیاسا رہے اور میں ان لوگوں کے دسترخوان آباد رکھوں۔ ان سے کہہ دیجئے جب تک میرے بندے کو روٹی پانی اور دوا نہیں ملے گی، اس وقت تک کوئی دعا، کوئی عبادت اور کوئی ترکیب ان کے کام نہیں آئے گی۔'' بستی کے لوگ واپس گئے۔ انہوں نے اللہ کے مقرب بندے سے معافی مانگی اور اسی شام بارش شروع ہو گئی۔ اس بستی کا قحط ختم ہو گیا۔ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے کبھی، مطمئن، خوش حال اور پُرسکون نہیں رہ سکتا۔ ہمیں خود اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ وہ ماہ رمضان جو سو فیصد رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ تھا، اس مبارک و مقدس مہینے میں وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کیوں محروم رہے اور ہمارے ایسے کیا اعمال اور گناہ ہیں کہ جن کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کے دروازے ہم پر بند کر دیئے اور ہم اللہ جل جلالہ کی شدید پکڑ میں آ گئے۔

آزاد کشمیر، گلگت بلتستان اور چترال سمیت ملک کے بیشتر حصوں میں موسلا دھار بارشوں کے تسلسل کے ساتھ سیلاب سے سڑکوں، پلوں، آبادیوں کے بہہ جانے سمیت تباہی اور نقصانات کا سلسلہ جاری ہے۔ اس تباہی کو محض قدرتی آفت کا شاخسانہ کہہ کر بری الذمہ ہونا کسی طرح بھی درست نہیں۔ انسان جب سے دنیا میں آیا ہے، اپنی بقا کے لیے زلزلوں، سیلابوں، بارشوں، آندھیوں سمیت مختلف اقسام کی ارضی و سماوی آفات کا مقابلہ کر رہا ہے۔ آیئے ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ وطن عزیز کو تمام قدرتی آفات سے محفوظ رکھے، ہمیں اپنے قہر و غضب سے بچائے اور اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

اب آپ اس ماہ کا رسالہ پڑھیے اور اپنی آراء و تجاویز سے آگاہ کیجیے۔ آپ خوش رہیں، شاد رہیں اور آباد رہیں۔
اپنی دعاؤں اور نیک تمناؤں میں یاد رکھیے گا۔ اب اجازت!

فی امان اللہ! (ایڈیٹر)

ایڈیٹر، پبلشر
ظہیر سلام

اسسٹنٹ ایڈیٹر
عابدہ اصغر

سرکولیشن اسسٹنٹ
محمد بشیر راہی

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	1
حمد و نعت		2
درس قرآن و حدیث	محمد طیب الیاس	3
ریٹھ حلوائی	سعدیہ جاوید گل	4
آزادی کا دن۔۔ (نظم)	خالد بزمی	7
میٹرکار	ام یحییٰ زاہد	8
پیارے اللہ سے۔۔	راشد علی نواب شاہی	9
اگست 1947ء تک	نوید اسلام صدیقی	11
پاکستان کا لازوال سفر	رانا محمد شاہد	14
کھیلی سپیا/کوپن		17
ابچھل خاکے		18
کنز کھاند کروپ تے......	شیخ محمد فرقی	19
مختصر مختصر		23
میری زندگی کے مقاصد		25
بوجھو تو جانیں		26
آیئے مسکرایئے		27
ذائقہ کارنر		28
بچوں کا انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر طارق ریاض	29
کھیل دس منٹ کا		31
کاوش کہانی		32
جن کا فرار	محمد ندیم اختر	33
کھوج لگایئے		36
دماغ لڑاؤ		38
میری بیاض سے		39
کنویں کا قیدی	علی اکمل تصور	40
آپ بھی لکھیے		47
میری کہانی	غلام حسین میمن	51
انعام کیوں؟		53
ایڈیٹر کی ڈاک		55
ہاتھی کا بچہ	احمد عدنان طارق	57
یورپ کے مسلم ممالک	محمد عمیر علی	60
طوطا	شیخ عبدالحمید عابد	62
بلاعنوان		64

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

سرورق ''یوم آزادی''

خط و کتابت کا پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail: tot.tarbiatfs@gmail.com
tot.tarbiatfs@live.com

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ: فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ ''تعلیم و تربیت'' 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 850 روپے۔
مشرق وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
ایشیا، افریقہ، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے) = 2800 روپے۔

قیمت فی پرچہ: 30 روپے

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

حمد باری تعالیٰ

مہر میں جلوہ دکھاتے تجھے ہم نے دیکھا
مہ میں روپ لٹاتے تجھے ہم نے دیکھا
نرم آواز ہواؤں میں تری ہم نے سنی
آنکھ تارے میں لڑاتے تجھے ہم نے دیکھا
آبشاروں میں ترا نغمۂ زیبا پایا
پھول میں چہرہ دکھاتے تجھے ہم نے دیکھا
رعد میں غصہ بھرا حکم ترا ہم نے سنا
برق میں ہنستے ہنساتے تجھے ہم نے دیکھا
سینچ کر خشک زمیں اپنے غلاموں کے لیے
کھیتیاں سبز اُگاتے تجھے ہم نے دیکھا
چند عنایات تری ہوں تو گنی بھی جائیں
فیض کا سیل بہاتے تجھے ہم نے دیکھا

مہر: سورج — مہ: چاند — زیبا: خوش نما
رعد: بجلی کی کڑک — برق: بجلی — سیل: پانی کی رو، بہاؤ

خالد بزمی

نعت رسولِ مقبول ﷺ

بت پرستی کو مٹایا اُسؐ نے
حق کا پیغام سنایا اُسؐ نے
حجرِ اسود پہ جو جھگڑا اُٹھا
اپنی حکمت سے چکایا اُسؐ نے
بے سہاروں کو تہی دستوں کو
اپنے سینے سے لگایا اُسؐ نے
دل محبت سے عدو کا جیتا
ہاتھ اُس پر نہ اُٹھایا اُسؐ نے
صف میں انسانوں کی عورت پہنچی
جس کا جو حق تھا دلایا اُسؐ نے
ایک تھے اُسؐ کی نظر میں سارے
دیکھا اپنا نہ پرایا اُسؐ نے
اپنے اخلاق و کرم کا سکہ
دشمنوں پر بھی بٹھایا اُسؐ نے
قول کا سچا کہا ہر اِک نے
اپنا ہر عہد نبھایا اُسؐ نے
ایک اللہ کے پرچم کے تلے
ہر بڑا چھوٹا بلایا اُسؐ نے
دینِ اسلام کا دے کر ہم کو
راستہ سیدھا دکھایا اُسؐ نے

تہی دست: خالی ہاتھ، کنگال — عدو: دشمن — حکمت: دانائی
سکہ: چھاپ، رعب داب

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

خوش کلامی

محمد طیب الیاس

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔" (البقرۃ:83)

پیارے بچو!

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ہمیں بات کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے کہ بات ہمیشہ خوش اخلاقی سے اور میٹھی زبان میں کی جائے اور سخت کلامی اور بد زبانی سے پرہیز کیا جائے۔ جو بات نرم اور دھیمے لہجہ میں کہی جائے وہ دل میں اُتر جاتی ہے جب کہ سخت الفاظ اور دُرشت لہجہ بغاوت اور سرکشی پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ بردبار، خوش اخلاق اور متواضع شخص سے سب لوگ گفتگو کر نا پسند کرتے ہیں اور اس سے ملاقات کے خواہش مند رہتے ہیں، جب کہ سخت مزاج، بداَخلاق اور متکبر شخص سے سب دُور بھاگتے ہیں اور کوئی بھی اس سے بات چیت کرنے کے لیے رضامند نہیں ہوتا۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش اخلاق اور نرم مزاج تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بارے میں فرمایا:

"(اے پیغمبرؐ!) آپؐ نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر آپؐ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپؐ کے آس پاس سے ہٹ کر منتشر ہو جاتے۔" (آل عمران 159)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے کریمانہ اخلاق اور نرم مزاجی کی تعریف فرمائی ہے۔

اچھے اخلاق کے بارے میں حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک سب سے زیادہ بھاری چیز قیامت کے دن جو مومن کی ترازو میں رکھی جائے گی، وہ اچھے اخلاق ہوں گے اور بے شک اللہ کو فحش گو اور بدزبان مبغوض ہے۔" (ترمذی، ابواب البر والصلۃ 2002)

حق کا دامن چھوڑے بغیر لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا یقیناً بڑی عزت اور شرف کی بات ہے جب کہ بدزبانی اور بدکلامی سے عزت بدنما ہوتی ہے اور مرتبہ گھٹ جاتا ہے۔ بدزبان اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اور مخلوق کے نزدیک بھی ناپسندیدہ ٹھہرتا ہے جب تک کہ وہ اپنی بدکلامی سے باز نہ آجائے۔

نرمی کے بارے میں ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال لی جاتی ہے وہ عیب دار ہو جاتی ہے۔" (مسلم، کتاب البر والصلۃ 2594)

نرمی اچھے اخلاق کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو اچھے اخلاق کا مالک ہوتا ہے، وہ ہمیشہ اپنے تمام جذبات اور خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے۔ وہ اعتدال کے دامن کو تھامے رکھتا ہے، کبھی حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ اس کی گفتگو، چال ڈھال اور ہر اک ادا مثالی اور قابلِ تقلید ہوتی ہے۔

اسلام میں خوش کلامی کو نیکی قرار دیا گیا ہے اور سخت کلامی کو گناہ بتایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "خوش اخلاقی سے بات چیت کرنا نیکی ہے اور ایک قسم کا صدقہ ہے۔"

(بخاری، کتاب الجہاد 2989، مسلم، کتاب الزکاۃ 1009)

شام کے وقت

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب شام کا وقت یعنی رات کا بالکل ابتدائی حصہ ہو تو بچوں کو گھر سے نکلنے سے روکو، کیوں کہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں اور بسم اللہ کہہ کر دروازہ بند کر دو اور بسم اللہ کہہ کر (سوتے وقت) چراغ بجھا دو اور بسم اللہ کہہ کر کھلے برتن ڈھانک دو۔ اگر اس وقت ڈھانکنے کو نہ ملے تو لکڑی وغیرہ ہی رکھ دو جو برتن کے منہ پر چوڑاؤ میں آ جائے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیانت عرف دینو حلوائی کی مٹھائی کی دکان پورے امرتسر میں مشہور تھی۔ لڈو، برفی، گلاب جامن، چم چم غرض جو بھی مٹھائی ہو اسے بنانے میں کمال حاصل تھا مگر اس کی بنائی خستہ، لذیذ امرتیوں کے چرچے تو زبان زد عام تھے۔ دینو بلا کا خوش مزاج انسان تھا۔ بچے ہوں یا بڑے ہر کسی سے خوش اخلاقی سے ملتا۔ پورے گاؤں میں کسی کو بھی روپے پیسے کی تنگی ہوتی یا کوئی اور پریشانی ہوتی، وہ بلا جھجک دینو کے پاس چلا آتا اور دینو اس کی مشکل کا کوئی نہ کوئی حل تو نکال ہی لیتا۔

دینو بہت زیادہ امیر تو نہیں تھا مگر ایک اچھی اور بے فکر زندگی گزار رہا تھا۔ دوسرا وہ قناعت کی دولت سے مالا مال تھا، لہٰذا ہر وقت خوش باش نظر آتا۔ اس کی بیوی خیراں بھی ہو بہو اس کی طرح تھی، وہ سگھڑ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت کفایت شعار بھی تھی۔ زندگی کی گاڑی کامیابی سے چل رہی تھی۔ دینو کا ایک ہی بیٹا تھا جس کی عمر چار سال تھی۔ ننھے منے گول مٹول سے احمد کو جو بھی دیکھتا، پیار کرنے لگتا۔ پورے گاؤں میں دینو کی عزت تھی اور دینو کے ہر کسی کے ساتھ اچھے مراسم تھے مگر وِکرم سنگھ اس کا لنگوٹیا یار تھا۔ اس کی تھوڑی سی زمین تھی جس پر وہ کھیتی باڑی کرتا تھا۔ اس کے مالی حالات خاصے کمزور تھے۔ دینو بھی وقتاً فوقتاً اس کی مدد کرتا رہتا تھا۔

ویسے بھی اس وقت سستا زمانہ تھا۔ سادہ لوگ تھے، ضروریات بھی محدود تھیں، اس لیے زندگی اتنی مشکل نہیں تھی۔

ٹی وی، کیبل، انٹرنیٹ ان چیزوں کا تو تصور بھی نہیں تھا۔ واحد تفریح کی چیز اخبار یا پھر ریڈیو جو اس وقت نیا نیا آیا تھا اور دنیا کی ایک انوکھی ہی چیز لگتا تھا۔ دینو نے ریڈیو کیا خریدا، پورا گاؤں اسے مبارک باد دینے کے لیے گھر آیا، پھر روز اس کے گھر دیر تک محفل جمنے لگی۔ لوگ آتے خبرنامہ سنتے اور پھر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ اب لوگ حالات سے خاصے باخبر رہنے لگے تھے۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے لیڈروں کی تقریریں سن سن کر ان کے موقف کا اندازہ بھی ہو گیا تھا۔ پھر یہ بات ہر جگہ پھیل گئی کہ انگریز سرکار نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے الگ الگ ملک بنانے کی منظوری دے دی ہے۔

دینو ایک سیدھا سادھا آدمی تھا جس کے لیے اپنے گھر اپنے گاؤں سے علیحدہ ہونے کا خیال ہی پریشان کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کے یار وِکرم نے بھی اسے یقین دلایا کہ دینو کو کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پورا گاؤں اس کے ساتھ ہے۔ گاؤں میں مسلمان اکثریت میں تھے جب کہ ہندوؤں کی تعداد کافی کم تھی، مگر لوگ ابھی تک تو اطمینان سے رہ رہے تھے۔ پھر جیسے جیسے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

دن گزرنے لگے لوگوں کے رویے اور انداز بھی بدلنے لگے۔ میٹھے بول تازیانے بن گئے۔ یہ بات واضح ہونے لگی کہ اب مسلمانوں کی اس گاؤں میں کوئی جگہ نہیں۔ دینو کو امید تھی کہ شاید اس کا یہ گاؤں پاکستان کا حصہ ہوگا مگر جب باقاعدہ اعلان کیا گیا تو کئی مسلمان اکثریت والے علاقے انڈیا میں شامل کر دیے گئے تھے۔

اب حالات خاصے خراب ہونے لگے تھے۔ دینو نے بھی جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے وِکرم کو اپنے گھر بلایا اور اپنے فیصلے سے آگاہ کیا مگر وِکرم کافی رنجیدہ تھا۔ وہ دینو کو روکنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ حالات جو بھی ہوں، وہ اور دینو مل جل کر رہیں گے مگر اب دینو کو بھی سمجھ آ گیا تھا کہ آزاد ملک کا تصور کیا ہوتا ہے۔ اس نے اپنی دُکان ساڑھے سات سو روپے میں ایک ہندو مہاجن کو بیچ دی اور جانے کی تیاری کر لی۔ اس کی بیوی سامان باندھنے لگی۔ سامان کیا تھا ایک چھوٹی سی گٹھڑی تھی جس میں چند کپڑے اور کھانے پینے کی کچھ خشک چیزیں گڑ، چنے، باجرہ وغیرہ تھے۔ ہاں دولت کے نام پر ساڑھے سات سو روپے کی نقد رقم تھی اور دینو کی بیوی کے کچھ زیورات تھے۔

دینو جانتا تھا کہ ایسے پُرخطر حالات میں اس دولت کے ساتھ سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ اس نے اپنی پریشانی وِکرم سے بیان کی تو اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اس مسئلے کا حل بھی نکال لیا۔ اس نے دینو کو مشورہ دیا کہ نقدی اور زیورات لحاف کے گدے میں سی کر ساتھ لے جائے جا سکتے ہیں۔ اس نے کسی کو شک بھی نہیں ہوگا۔ پھر دینو کے جانے کا وقت بھی آ گیا۔ وِکرم خود اپنی بیل گاڑی میں دینو کو اسٹیشن چھوڑنے گیا۔ وہاں اتنا رش تھا کہ تل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی، عجیب دھکم پیل تھی۔ دینو نے اشک بار آنکھوں سے وِکرم کو الوداع کہا اور ٹرین میں سوار ہو گیا۔ اس کے بیوی بچے بھی ساتھ تھے۔

ٹرین آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ دینو وِکرم کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا رہا تھا کہ اچانک اسے خیال آیا کہ وہ نقدی زیورات والا لحاف تو وِکرم کی بیل گاڑی میں ہی چھوڑ آیا ہے۔ وہ چلا چلا کر وِکرم کو پکارنے لگا اور اسے لحاف دینے کو کہا مگر ادھر وِکرم کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ اتنی دھکم پیل میں دینو کا ٹرین سے اُترنا ناممکن تھا۔ ٹرین کی رفتار تیز ہونے لگی اور دینو بے چارہ بے یقینی سے وِکرم کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

انتہائی خون ریز حالات کا سامنا کرنے کے بعد جب ٹرین پاکستان پہنچی تو اس لٹی پٹی حالت میں بھی لوگوں کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو آ گئے۔ ٹرین میں جتنے لوگ تھے ان میں سے جو صحیح سلامت پاکستان پہنچنے میں کام یاب ہوئے ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ دینو بھی ان خوش قسمت لوگوں میں شامل تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور پاکستان کی مقدس سرزمین پر سجدہ ریز ہو گیا۔

ریلیف کیمپ میں پہنچ کر بھی دینو کی حالت غیر تھی۔ اس کی ساری جمع پونجی اسی لحاف میں تھی۔ وہ دن رات اسی غم میں گھلتا جا رہا تھا۔ اب اسے کوئی کام بھی چاہیے تھا جس سے وہ اپنے بیوی بچے کی رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست کر سکے۔ پھر ایک دن وہاں ڈیوٹی پر مامور ڈاکٹر صاحب نے دینو کی شرافت اور اخلاق دیکھتے ہوئے اپنے ہاں خانساماں کی نوکری دے دی اور رہنے کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

کوارٹر بھی دے دیا۔

ڈاکٹر صاحب ایک نیک اور خداترس انسان تھے۔ بیگم صاحبہ بھی بہت اچھی تھیں۔ دینو ڈاکٹر صاحب کے ہاں کام کرتے ہوئے خوش تو تھا مگر مطمئن نہیں۔ وہ اپنی مٹھائی کی دُکان پھر سے کھولنا چاہتا تھا۔ اس نے ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا تو انہوں نے دینو کو اپنے ایک دوست حاجی نور محمد جن کی انارکلی بازار میں ''رحمت سویٹس'' کے نام سے بہت بڑی دُکان تھی، وہاں کام دلوا دیا۔

دینو محنت اور ایمان داری سے کام کرنے لگا۔ دینو کی بنائی مٹھائیوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس کے ہاتھ کی امرتیاں کھانے لوگ دُور دُور سے آتے۔ ''رحمت سویٹس'' کا کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔ دینو کے حالات بھی سدھرنے لگے تھے۔ اب اس نے دو کمرے کا ایک چھوٹا سا مکان بھی کرائے پر لے لیا تھا، اس کا بیٹا بھی اسکول جانے لگا تھا۔

حاجی صاحب نے دینو کو اپنے کاروبار میں حصہ دار بنا لیا۔ آہستہ آہستہ ''رحمت سویٹس'' کا کاروبار پھیلنے لگا۔ دُکانوں کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ کئی شہروں میں اس کی برانچیں کھل گئیں۔ اب دینو سیٹھ دیانت علی تھا اور ایک شان دار بنگلے میں رہتا تھا مگر اس کی عاجزی و انکساری میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ اب بھی ہر کسی سے خوش اخلاقی سے ملتا اور ضرورت مندوں کی دل کھول کر مدد کرتا۔ اسے جب بھی وِکرم کی بددیانتی یاد آتی، وہ دُکھی ہو جاتا اور اکثر سوچتا کہ وِکرم نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ اب تو اس کا بیٹا بھی پڑھائی سے فارغ ہو کر کاروبار میں ہاتھ بٹانے لگا تھا۔ دینو ڈاکٹر صاحب کے احسان کو بھی نہ بھولا تھا۔ وہ اب اس کے بہترین دوست، رہنما سب کچھ تھے۔

ایک دن وہ اپنی گاڑی میں آ رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی اس کی گاڑی کے آگے بھاگ کے آیا اور ٹکرا گیا۔ وہ اسے اسپتال لے گیا۔ زخمی انتہائی لاغر و بیمار لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز دبی ہوئی تھی۔ دیانت علی نے اسے کھول کر دیکھا تو وہ ایک کاغذ تھا جس پر سیٹھ دیانت علی کا پتا لکھا تھا۔ زخمی کو ہوش آیا تو وہ دیانت علی کو اپنے سامنے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ دیانت نے بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا اور رونے کی وجہ پوچھی تو وہ بولا: ''دینو تم نے مجھے پہچانا نہیں، میں وِکرم ہوں۔ میں بہت عرصے سے تمہارا پتا ڈھونڈ رہا تھا۔ تمہاری امانت میرے پاس رہ گئی تھی۔ مجھے اسے لوٹانا چاہیے تھا مگر اتنی دولت دیکھ کر میں بہک گیا مگر مجھے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے کاروبار شروع کیا مگر نقصان ہو گیا۔ میرے بچے مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ مجھے لاعلاج مرض لاحق ہو گیا۔ یہ سزا مجھے قدرت کی طرف سے ملی۔ میں مرنے سے پہلے تم سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ میرے پاس اب بھی تمہیں لوٹانے کے لیے تمہاری امانت نہیں مگر میں تم سے مل کر معافی مانگنا چاہتا تھا۔ اگر تم نے مجھے معاف کر دیا تو بھگوان بھی معاف کر دے گا اور میں سکون سے مر سکوں گا۔'' اتنا کہہ کر وہ پھر رونے لگا۔ دینو کو اس کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہو رہا تھا، اس نے کہا: ''وِکرم میں نے تمہیں معاف کیا۔ میرے ساتھ تم نے جو کیا اس کی سزا تو تمہیں مل گئی۔ میں بدلہ نہیں لوں گا کیوں کہ معاف کرنا ہی سب سے بڑی نیکی ہے۔ ہمارے نبیؐ نے بھی ہمیں یہی سبق سکھایا ہے۔ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی غصہ نہیں۔'' پھر اس نے وِکرم کی طرف دیکھا تو اس کی بند ہوتی آنکھوں میں اب تشکر کے آنسو تھے اور اس کے ساتھ ہی وِکرم کی روح نے اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ☆☆☆

(بقیہ: زندہ لاش)

''یہ تو ہم ڈاکوؤں کے گروہ میں آن پھنسے ہیں۔'' عمار نے سرگوشی کی۔

یکا یک بار روم کی طرف کا دروازہ تڑاخ سے کھلا اور پولارڈ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی: ''گٹار بجانے والے تو اب پہنچے ہیں، وہ دونوں کوئی اور تھے۔''

یہ سنتے ہی کھلبلی مچ گئی۔ حبشی دربان لڑکوں کی طرف لپکا۔ پولارڈ دروازہ روکے کھڑا تھا۔ لڑکے باہر کی طرف نہیں جا سکتے تھے۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اوپر سیڑھیاں چڑھ جائیں جو انہیں سامنے نظر آ رہی تھیں۔ ایک منزل طے کر کے وہ اندھیرے میں دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑے ہو گئے تاکہ ڈاکو اوپر دوسری منزل پر چڑھ جائیں تو وہ واپس نیچے اُتر جائیں۔ ان کے قیاس کے مطابق اتنا تو ہوا کہ چھ سات آدمی سیدھے اوپر چڑھ گئے لیکن جب وہ نیچے اُترنے لگے تو ہال کے دروازے پر باقی آدمی راستہ روکے کھڑے تھے۔ لڑکوں نے جلدی سے دونوں طرف کے دروازے بند کر دیئے تاکہ نہ نیچے والے آدمی اوپر آ سکیں اور نہ اوپر والے نیچے جا سکیں لیکن وہ خود بھی درمیان میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ عمار سر تھام کر بولا: ''بُرے پھنسے!'' (باقی آئندہ)......☆......

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

آزادی کا دِن آیا

خوش ہوتی ہے خلقت ساری
ہر جانب فرحت ہے طاری
ہم بھی کریں آؤ تیاری
سب کے لیے خوشیاں لایا ہے
آزادی کا دن آیا ہے

گلشن میں غنچے مہکے ہیں
شاخوں پر بلبل چہکے ہیں
بوٹے پودے سب لہکے ہیں
ہر شے پر جوبن چھایا ہے
آزادی کا دن آیا ہے

آزادی کی شان نرالی
شان نرالی، آن نرالی
آن نرالی، بان نرالی
سبز پھریرا لہرایا ہے
آزادی کا دن آیا ہے

پاک وطن میں راج ہمارا
تخت ہمارا، تاج ہمارا
ہر دل خوش ہے آج ہمارا
خوشیوں کا تحفہ لایا ہے
آزادی کا دن آیا ہے

اپنا پاک علم لہراؤ
اُٹھو، اُٹھ کر خوشی مناؤ
اُچھلو، کودو، کھیلو، گاؤ
حق نے یہ دن دکھلایا ہے
آزادی کا دن آیا ہے

خالد بزمی

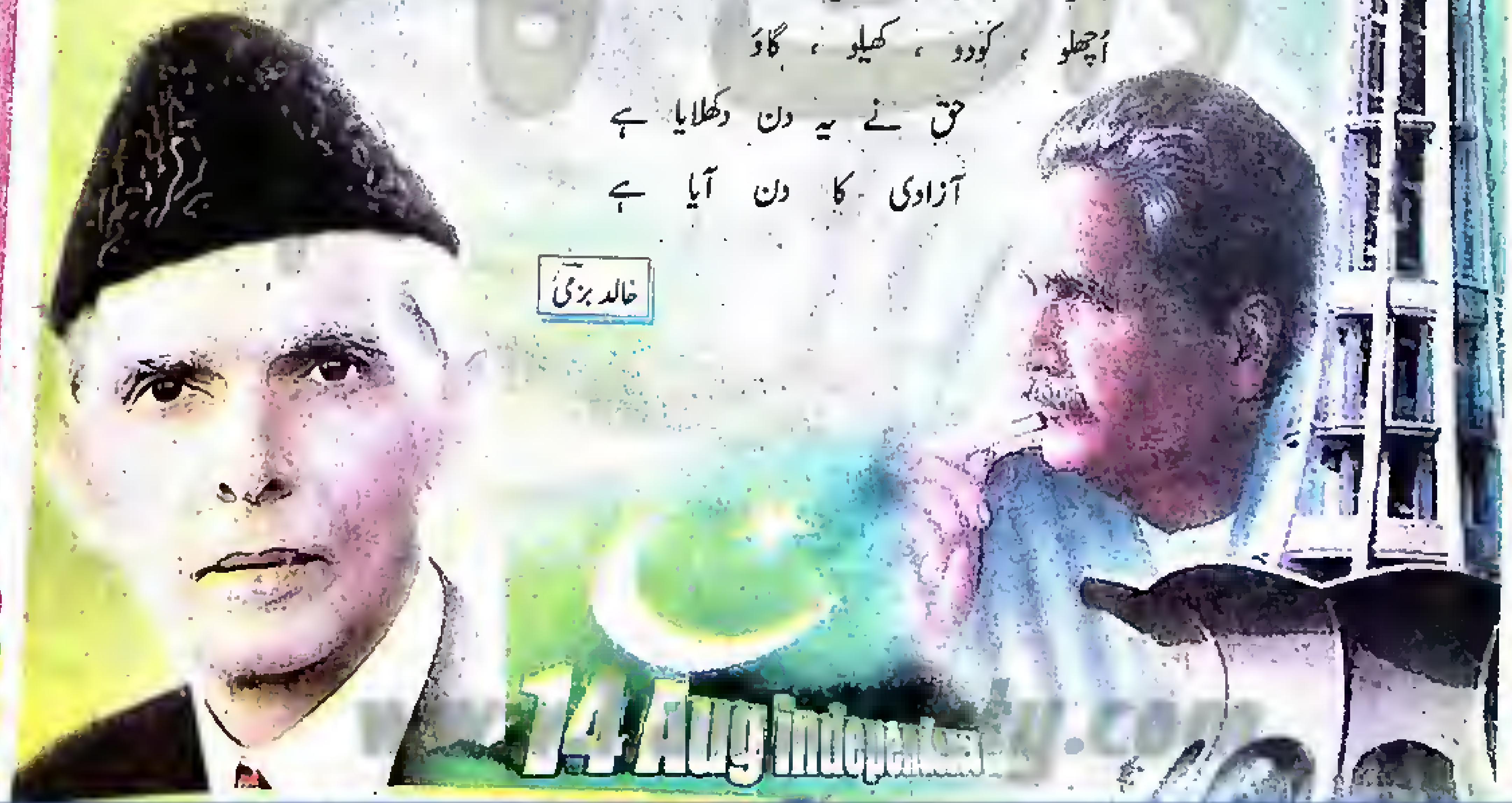

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

موٹر کار

امام یحییٰ زاہد

1712ء میں نیوکومن کے بھاپ انجن کی ایجاد کے بعد گھوڑا گاڑی کو بھاپ گاڑی کی شکل دینے کے لیے سخت کوششیں ہوئیں۔ آخرکار ''واٹ'' کے انجن کو بہتر شکل دینے کے بعد یہ مسئلہ حل کرلیا گیا۔ بھاپ کی قوت سے چلائی جانے والی پہلی گاڑی ''نکولس کوگناٹ'' نے 1769ء میں تیار کی۔ اس گاڑی کی ایجاد کے بعد تمام دُنیا میں کئی اقسام کی بھاپ سے چلنے والی گاڑیاں بنائی جانے لگیں۔ 1820ء میں بہتر قسم کی بھاپ گاڑیاں ایجاد کرلی گئیں اور ان گاڑیوں کے چلنے کے لیے پختہ سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ ابتدائی گاڑیاں پرانی ڈاک گاڑیوں سے کافی مشابہت رکھتی تھیں اور اسی طریقے سے مسافر اور سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی تھیں۔ یہ گاڑیاں 30 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی تھیں۔ تاہم 1865ء میں گاڑیوں کے لیے 4 میل فی گھنٹے کی رفتار مقرر کردی گئی۔ اس قانون سے گاڑیوں کی مزید ترقی میں رکاوٹ پڑی۔

انیسویں صدی میں سائنس دانوں کا رجحان ایسی ہلکی گاڑیاں بنانے کی طرف ہوگیا جنہیں آسانی کے ساتھ چلایا جاسکتا تھا۔ بھاپ گاڑی کے لیے ایک بہت بڑی اور وزنی انگیٹھی کی ضرورت ہوتی تھی جس میں کوئلہ جلا کر بھاپ پیدا کی جاتی تھی۔ اس انگیٹھی کی وجہ سے گاڑی کو قدیم اسٹیم انجنوں کی طرح بہت بھاری وزن کھینچنا پڑتا تھا۔ تیل کی صنعت میں ترقی کے بعد پٹرول اور پیرافین سے چلنے والی گاڑیاں ایجاد کرلی گئیں۔ ان گاڑیوں میں بھاپ کی بجائے پٹرول کے جلنے کے عمل سے قوت حاصل کی گئی۔ اس قسم کے انجن کو انٹرنل کمبسچن انجن (Internal Combustion Engine) کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے انجنوں میں پٹرول کے بخارات ایک سلنڈر کے اندر جل کر پھیلتے ہیں جو کہ قوت پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

1860ء میں ''ایٹائن لینائر'' نے پہلا کامیاب گیس انجن تیار کیا۔ اس قسم کے انجن سے ایک جرمن سائنس دان این۔ اے اوٹو نے 1876ء میں چار اسٹروک والا طاقت ور انجن تیار کرلیا۔

پٹرول سے چلنے والی دُنیا کی پہلی کار 1885ء میں بنائی گئی۔ 1889ء میں برطانیہ نے پٹرول سے چلنے والی کاریں درآمد کیں اور حد رفتار 4 میل فی گھنٹے سے بڑھا کر 12 میل فی گھنٹہ مقرر کردی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں بھاپ سے چلنے والی مزید کاریں تیار کی گئیں۔ 1906ء میں امریکہ کے سٹینلے برادران نے پٹرول سے چلنے والی ایک ایسی کار تیار کی جو 127 میل فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑ سکتی تھی۔ اس قسم کی ہلکی اور تیز کاروں کے منظر عام پر آنے کے بعد بھاپ والی بھاری اور بھدی کاریں غائب ہوگئیں کیوں کہ ان کی رفتار بہت سست تھی۔ اس کے بعد پٹرول سے چلنے والی کاروں میں تبدیلیاں کر کے ان کی کارکردگی کو بہتر بنا دیا گیا۔ 1907ء میں سر ہنری رائس نے مشہور کار ''سلور گوسٹ'' تیار کی۔ اس عرصے میں کار کی باڈی کو زیادہ مضبوط اور خوب صورت بنا دیا گیا۔ اس کے علاوہ کار کی ساخت میں کئی اور مفید چیزیں مثلاً ونڈ سکرین، کمانیاں اور وائپر وغیرہ کا اضافہ کردیا گیا۔

1930ء تک اس میدان میں اور بھی پیش رفت ہوئی اور ایسی کاریں تیار کرلی گئیں جن میں وینکل (Wankel) قسم کے انجن لگائے گئے۔ گو وینکل انجن اور عام پٹرول انجن بنیادی طور پر ایک ہی سسٹم کے تحت کام کرتے ہیں، لیکن وینکل انجن کا پسٹن تکونی شکل کا ہوتا ہے جو ہوا اور پٹرول کے آمیزے کو سلنڈر میں ایک ساتھ دباتا ہے۔ اس کے علاوہ ان جدید کاروں میں آٹو میٹک گیئر لگائے گئے جو رفتار کے ساتھ خود بخود تبدیل ہوجاتے ہیں۔

1891ء میں پہلی برقی کار منظر عام پر آئی۔ یہ کار ایک ایسی بیٹری سے چلائی گئی جس کو تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد دوبارہ چارج کرنا پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے یہ برقی کاریں زیادہ مقبول نہ ہوسکیں۔ جب پٹرول کاروں میں سیلف اسٹارٹ سسٹم لگایا گیا تو یہ برقی کاریں غائب ہوگئیں۔ تاہم سائنس دانوں کی برقی کاروں میں دل چسپی ختم نہیں ہوئی کیوں کہ یہ کاریں نہ تو دھواں چھوڑتی ہیں اور نہ ان سے فضا کی آلودگی کا کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔

اب توقع کی جارہی ہے کہ جدید قسم کی ایسی برقی بیٹریاں ایجاد کرلی جائیں گی جو گاڑیوں کو اتنے فاصلے تک لے جاسکیں گی جتنے فاصلے تک پٹرول سے بھری ہوئی ٹنکی لے جاسکتی ہے۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیارے اللہ کے پیارے نام

راشد علی نواب شاہی

الاَوَّلُ جَلَّ جَلالُہٗ
(سب سے پہلے)

الاوّلُ جَلَّ جَلالُہٗ وہ ہے جس سے پہلے کوئی نہیں اور وہ کائنات کی ہر چیز سے پہلے موجود تھا۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک ''الاَوَّلُ جَلَّ جَلالُہٗ'' ہے۔ وہ ایسا ''الاَوَّلُ جَلَّ جَلالُہٗ'' جس سے پہلے کوئی نہ تھا، وہ سب سے پہلے ہے۔ اس کی کوئی ابتدا نہیں، وہ ابتدا سے پاک ہے۔

الاٰخِرُ جَلَّ جَلالُہٗ
(سب کے بعد)

الاٰخِرُ جَلَّ جَلالُہٗ وہ ہے جس کے بعد کوئی نہیں جو ساری کائنات اور ساری مخلوق کے ختم ہونے کے بعد بھی باقی رہے گا۔

ہمیں اُردو کے پیریڈ میں اُستاد صاحب الفاظ، ضد سمجھاتے ہوئے یوں لکھواتے تھے اور آپ بھی اپنے اسکولوں میں پڑھتے ہیں اور یہ سوال عام طور سے امتحان میں کبھی آتا ہے۔ ہمیں اُستاد صاحب نے یوں لکھوایا تھا۔

الفاظ	ضد
ابتدا	انتہا
اوّل	آخر
دائیں	بائیں
آج	کل
اندھیرا	اُجالا

اللہ پاک کے ناموں میں ایک مبارک نام ''الاٰخِرُ جَلَّ جَلالُہٗ'' بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسا ''الاٰخِرُ جَلَّ جَلالُہٗ'' ہے جس کے بعد کوئی نہ ہو گا، وہ سب کے بعد ہے۔ اس کی کوئی انتہا نہیں، وہ انتہا سے پاک ہے۔ وہی اوّل ہے اور وہی آخر ہے۔

اوّل انعام

آج اسکول میں سالانہ کھیلوں کے فائنل کا دن تھا۔ میں نے دوڑ کے مقابلے میں حصہ لیا تھا اور پانچ سال سے یہ ٹائٹل میرے نام ہی رہا تھا۔ آج بھی میں بھرپور تیاری کر کے آیا تھا۔ آج کا فائنل بھی میں جیتنا چاہتا تھا۔ جیسے جیسے مقابلے کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا تو میرے دل کی دھڑکن بھی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی، کیوں کہ اس سال اسکول میں داخلہ لینے والا خالد فائنل راؤنڈ تک پہنچ چکا تھا اور وہ دوڑنے میں بہت ہی تیز تھا۔ وہ چیتے کی طرح دوڑتا تھا۔ ہماری کلاس کے علاوہ سب کی زبانوں پر یہ تھا کہ دوڑ کا مقابلہ خالد جیت جائے گا، میں ہار جاؤں گا لیکن میں شکست کا لفظ بھی نہیں سننا چاہتا تھا۔

مقابلے کا وقت آن پہنچا، ایک...... دو...... تین کے ساتھ ہی سیٹی بجی تو میں تیزی سے دوڑنے لگا۔ خالد دوڑتے دوڑتے میرے برابر آ گیا۔ میں اور تیز ہو گیا اور اسے پیچھے کر دیا۔

''ثاقب......!! تیز اور تیز...... بھاگو...... تیز بھاگو ثاقب، شاباش!''

یہ آوازیں اُبھرنے لگیں، لیکن خالد نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں؟ –

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

اور میں اس کے پیچھے، اسکول کے لڑکوں کا شور بلند ہوا۔ ''خالد...... تیز اور تیز...... خالد...... اوّل...... اوّل۔''

میں نے پوری طاقت لگائی اور خالد کے قریب پہنچ گیا اور آہستہ آہستہ اسے پیچھے چھوڑ دیا۔ شور کی آوازیں پھر زیادہ بلند ہو گئیں۔ میری کلاس کے لڑکے میرا حوصلہ بڑھانے لگے۔

''ثاقب......!! تیز اور تیز...... شاباش ثاقب......'' اور وہ نشان جس تک پہنچنا تھا، وہ قریب ہوتا چلا جا رہا تھا کہ نہ جانے میرا پاؤں کس چیز سے اٹکا اور میں گرتے گرتے بچا۔ اس دوران میری رفتار یک دم کم ہوئی تو میرے تعاقب میں آنے والے سارے لڑکے مجھ سے آگے نکل گئے اور میں سب سے آخر میں پہنچا۔ اوّل کے بجائے میں دوم اور سوم پوزیشن سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے اور کوئی پوزیشن نہ حاصل کر سکا۔

میری ساری کلاس کے لڑکے افسردہ ہو گئے۔ میرے ہارنے کے باوجود انہوں نے مجھے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ افسردہ اور اداس چہرے کے ساتھ میں نے انعامات کی تقریب سنی اور جب دوڑ کے مقابلے کی ٹرافی کے لیے خالد کو پکارا گیا تو میں اندر ہی اندر رونے لگا۔

ٹرافی وصول کر کے اوّل آنے والا خالد میرے پاس آیا، اور میری ہمت بڑھائی۔

اساتذہ اور پرنسپل صاحب نے بھی بہت حوصلہ افزائی کی جس سے مجھے حوصلہ ملا۔

میں شام کو بہت افسردہ اکیلا ہی اسکول گراؤنڈ چلا گیا۔ جہاں سے دوڑ شروع کی تھی، وہاں پہنچا۔

''ثاقب!!!'' میں حیرت زدہ ہو کر دائیں بائیں دیکھنے لگا کہ مجھے کس نے پکارا ہے۔ پکارنے والا کوئی نہ تھا۔ گراؤنڈ میں صرف میں ہی اکیلا تھا۔

''ثاقب! ادھر دیکھو۔'' میں غور سے آواز کی طرف متوجہ ہوا تو آواز اس جگہ سے آ رہی تھی جہاں سے دوڑ شروع کی گئی تھی۔

''ثاقب! تم نے یہاں سے دوڑنے کی ابتدا کی حالاں کہ ابتدا میں نہیں ہوں۔ دوڑ ذرا سا آگے یا پیچھے سے شروع کی جاتی تو میری ابتدا ختم ہو جاتی۔ اسی طرح ضروری نہیں ہر مرتبہ ایک ہی اوّل ہو۔ کبھی اوّل تو کبھی آخر۔''

مجھے اس ابتدائی جگہ کی باتیں اچھی لگنے لگیں جس سے مجھے حوصلہ ملا اور میرا ہارنے کا غم ہلکا ہونے لگا۔

''ثاقب! یہاں آؤ مجھے بھی تمہیں ایک پیغام دینا ہے۔'' دُور سے ایک آواز اُور اُبھری۔ آواز اس جگہ سے اُبھری تھی جہاں دوڑ کا انتہائی مقام تھا، جہاں جا کر ہم نے دوڑ مکمل کرنی تھی۔ جو پہلے پہنچا وہ اوّل آیا، جو دوسرے نمبر پر پہنچا وہ دوم اور جو تیسرے نمبر پر پہنچا وہ سوم۔ ''ثاقب! جاؤ اس جگہ جاؤ جو میری ضد کہلاتا ہے کیوں کہ ابتدا کی ضد انتہا آتی ہے اور اوّل کی ضد آخر آتی ہے۔'' ابتدائی جگہ نے اس انتہائی جگہ کی طرف جانے کا اشارہ کیا، میں بوجھل قدموں سے آہستہ آہستہ اس طرف بڑھنے لگا۔

''ثاقب! رہی میری انتہا تو اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اگر میرے نشان کو اور آگے بڑھا دو تو میری انتہا ختم ہو جائے گی اور میری حیثیت ختم ہو جائے گی۔ تمہارا ہارنا یہ کوئی آخری ہارنا نہیں، ابھی زندگی کی منزلیں اور بھی ہیں۔ اگر آج تم آخر میں پہنچے ہو تو یہ عارضی ہے۔ کوشش کرو، پھر ایک دن اوّل آؤ گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!''

اس بات کا سننا تھا کہ میرا حوصلہ بڑھنے لگا۔

''اور ثاقب! ایک بات بہت غور سے سنو: اوّل و آخر صرف ایک اللہ تعالیٰ ہیں۔ اس لیے کسی کو اوّل آنا اور کسی کا آخر آنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ دُنیا میں حاصل کی گئی اوّل پوزیشن اور آخری پوزیشن کو تو ختم ہونا ہے۔ ہاں، یہ کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے امتحان میں اوّل آؤ۔''

مغرب کا وقت شروع ہوا تو ''اللہ اکبر'' کی رس گھولتی آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں اس جگہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک نئے عزم کے ساتھ مسجد کی طرف بڑھنے لگا۔

اس دُنیا میں اوّل آنے کے لیے تو میں اتنا بے قرار تھا، اس اللہ تعالیٰ کے امتحان میں اوّل آ جاؤں، اب اس کے لیے مجھے تیاری کرنی ہے۔''

☆☆☆

لفظوں کا سفر

مؤنہ: عربی زبان میں مال، روپیہ پیسہ، خرچہ، روز کے استعمال کی اشیاء کھانے پینے کی اشیاء کے لیے لفظ ''مؤنہ'' استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ ان اشیاء کے حصول میں نقدی اور رقم کا بنیادی کردار ہوتا ہے اس لیے انگریزی میں ''مؤنہ'' نے ''منی'' MONEY کی شکل اختیار کر لی۔ مراد وہی ہے، نقدی، سکہ، زر، مال و دولت۔ وغیرہ۔

اُرز: عربی زبان میں چاول کو اُرز یا رُز کہتے ہیں۔ محققین کے مطابق یہ لفظ تامل زبان کا لفظ ''اریسی'' ہے جو سفر کر کے عربی میں پہنچا اور وہاں اس نے اپنی صورت بدل دی۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ یونانی زبان میں چاول کو اورِزا ORYZA کہا جاتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

جب اگست کا مہینہ آتا ہے، دل پرانی یادوں میں کھو جاتا ہے۔ والد محترم سے ہم نے جب سوال کرنا کہ یہ پاکستان کب وجود میں آیا تو اُن کا جواب ہوتا کہ اِس سوال کا جواب تو قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اتنے مدلل الفاظ میں دیا ہے کہ اُس میں کوئی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ قائدؒ نے فرمایا تھا کہ پاکستان اُسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دن پہلا ہندوستانی مسلمان ہوا تھا۔ عظیم قائد نے کتنی زبردست اور گہری بات کی ہے۔ انہوں نے گویا کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ ہم ایک خوش قسمت قوم ہیں جس کو ایک ایسا لیڈر اللہ تعالیٰ نے عطا کیا جس کی دُنیا میں کوئی مثال نہیں ہے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی حکمت، بصیرت اور دانش کی دُنیا قائل ہے۔ جس قائداعظمؒ کو مؤرخین گزشتہ صدی کا سب سے بڑا سیاست دان (Statesman) تسلیم کرتے ہیں اور جس عظیم ہستی کے بارے میں امریکی مورخ سٹینلے والپرٹ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ ”وہ انسانی تاریخ کا واحد قائد تھا جس نے بیک وقت تین تاریخی کارنامے سرانجام دیے یعنی تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑا، دُنیا کا نقشہ تبدیل کر کے رکھ دیا اور ایک قومی ریاست کے قیام کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔“

ڈاکٹر صفدر محمود صاحب کے الفاظ میں: یہ تو قائداعظمؒ کی فراست، بصیرت اور حکمت تھی جس نے پاکستان بنا دیا ورنہ قائداعظمؒ نہ ہوتے تو نہرو، گاندھی، پٹیل اور کانگریس کبھی پاکستان نہ بننے دیتے۔ کون نہیں جانتا کہ کانگریس نے جون 1947ء کی قرارداد میں تقسیم ہند کو قبول کرتے ہوئے کیا کہا تھا۔

قائداعظمؒ تقسیمِ ہند سے کئی سال قبل ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے جو اس دور میں لاعلاج مرض تھا۔ قیامِ پاکستان کے وقت وہ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو چکے تھے لیکن وہ اپنے عزمِ مصمم، قوت ارادی اور تائید غیبی کے تحت جدوجہد میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی زندگی میں اپنے مشن کی کامیابی، دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کی صورت میں دکھلا دی۔ ☆☆

پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے تقریباً 68 برس ہو گئے ہیں، یہ کوئی صدیوں کا سفر نہیں اور ہم نے ابھی سے اپنی مختصر سی تاریخ کو بھلانا شروع کر دیا ہے۔

قائداعظمؒ کی دُوراندیش نگاہوں نے جنگِ عظیم دوم کے بھڑک اُٹھنے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس جنگِ عظیم کے نتیجے میں انگلینڈ کے لیے اپنے مقبوضات پر قبضہ قائم رکھنا مشکل اور ناممکن ہو جائے گا۔ آپ غور کریں کہ جنگ کا آغاز 1939ء کی آخری سہ ماہی میں ہوتا ہے اور 23 مارچ 1940ء کو مینارِ پاکستان کے مقام پر منٹو پارک میں قراردادِ پاکستان منظور ہوتی ہے۔ قائداعظمؒ کا اندازہ کتنا صحیح نکلا۔ وہ سلطنت جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا، وہ ابھی جنگِ عظیم دوم کے بعد 1945ء میں امریکہ سے ایک ارب ڈالر کا قرضہ مانگ رہا تھا کہ بھاڑ میں جائے سلطنت، باقی ماندہ برطانیہ ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بچا لیں تو بڑی بات ہے۔

قائداعظمؒ کی قیادت میں مسلمانانِ ہند کی جدوجہد ایک حیرت انگیز داستان ہے۔ قرار داد پاکستان منظور ہونے کے بعد ہر صوبے کے مسلمانوں تک مسلم لیگ کا پیغام پہنچانے کے لیے جو دوڑ دھوپ کی گئی اُس کا اظہار 46-1945 کے الیکشن میں ہوا۔ اس الیکشن کی بنیاد پر ہی نئی اسمبلیاں وجود میں آئیں۔ یہ انتخابات انگریز حکومت نے کرائے تھے اور انہیں خاصی حد تک منصفانہ انتخابات سمجھا جاتا ہے۔ مسلم لیگ نے مسلمان رجسٹرڈ ووٹوں کا 75 فیصد ووٹ حاصل کر کے ثابت کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ 46-1945ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے قائداعظمؒ کی سربراہی میں مرکزی دستور ساز اسمبلی کی تمام مسلمان نشستیں جیت لی تھیں۔

14 اگست 1947ء ہماری تاریخی جدوجہد کا اہم ترین سنگِ میل اور تاقیامت زندہ رہنے والا دن ہے۔ ☆☆

ہندو ناعاقبت اندیش قیادت نے ہندوستان کے اندر انسانی دلوں میں جو آگ بھڑکائی، اُس کے نتیجے میں ایک اندازے کے مطابق تقریباً دس لاکھ افراد کو اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا اور دو کروڑ سے زائد انسانوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے اور اُن میں ہم بھی شامل تھے جو اپنے آباد گھر سے خالی ہاتھ سر پر کفن باندھے ہوئے نکلے تھے۔

پاکستان بننے سے قبل ہم ضلع گورداسپور کے شہر پٹھان کوٹ کے نزدیک نیاز علی خاں صاحب کی بسائی ہوئی چھوٹی سی بستی میں رہتے تھے۔ یہ ایک بہت خوب صورت جگہ تھی۔ ایک طرف ساٹھ ستر فٹ چوڑی نہر تھی۔ لاہور شہر میں سے اسی نہر کی ایک برانچ گزرتی ہے، پاکستان بننے کے بعد انڈیا نے اِس نہر میں پانی کا آنا بند کر دیا تھا۔ دوسری طرف ریلوے لائن تھی، باقی دو اطراف میں ہرے بھرے کھیت تھے۔ ہماری بستی سے کچھ فاصلے پر پکی سڑک گزرتی تھی۔ چند کلومیٹر کے فاصلے پر 'سرنا' اسٹیشن تھا۔ لاہور، امرتسر سے آنے والی گاڑیاں سرنا اسٹیشن پر رکتی تھیں۔ جب وہاں سے پٹھان کوٹ کے لیے روانہ ہوتیں تو وسل کی آواز سنائی دیتی۔ کچھ دیر بعد گاڑی ہمارے مکانوں کے پاس سے گزرتی۔ بستی میں داخل ہونے کے لیے ریلوے لائن کے نیچے سے راستہ بنا ہوا تھا۔ پٹھان کوٹ جانے کے لیے بستی کے اکلوتے تانگہ میں بیٹھ کر ادھر ہی سے گزر کر جاتے تھے۔

تقسیم ہند کے وقت میری عمر پانچ سال تھی۔ اس لیے مضمون تحریر کرنے کے لیے والد مرحوم کی ڈائری کا سہارا لیا ہے۔

والد صاحب اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں: 1947ء سے قبل ہی کلکتہ، نواکھلی، بہار اور شمالی ہند میں فسادات اپنا خونی پرچم اُڑا رہے تھے۔ انہوں نے خنجر اور برچھیاں لے کر بچوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے اور بوڑھوں کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ انہوں نے ماؤں بہنوں کے ناموس کو لہولہان کر دیا۔ انہوں نے مذہب کے چہرے پر زخم لگائے۔ انہوں نے اخلاق کو سُولی دی، انہوں نے شرافت کا جنازہ نکالا، انہوں نے انسانیت کو تڑپا دیا، انہوں نے تہذیب کے گھر کو آگ لگا دی، انہوں نے جمہوریت کی متاعِ حیات لوٹ لی اور امن کو دیس نکالا دے دیا۔ شہری زندگی بھوتوں کے ہتھے چڑھ گئی۔

1947ء نمودار ہوا تو اس کے چہرے اور سینے پر گھاؤ تھے مگر خون میں لتھڑے ہونے کے باوجود آہستہ آہستہ آزادی کا جھنڈا بلند کر رہا تھا۔ لوگ حالات کی تیز تیز کروٹوں کو سانس روکے دیکھ رہے تھے۔ مختلف مشن، مختلف منصوبے یکے بعد دیگرے جلد جلد سامنے آ ہی چکے تھے۔ ان میں سے اگرچہ کوئی بھی فریقین کے لیے پوری طرح وجہ اطمینان نہیں بن سکا تھا، لیکن ان چیزوں نے اُمیدوں کو مضبوط کر دیا، مگر دونوں قوموں کے درمیان کھچاؤ بہت بڑھ گیا۔

1947ء کے آتے آتے یہ حقیقت نمایاں ہو گئی کہ ان دونوں قوموں کا اب ایک نظام میں مل کر رہنا ناممکن ہے۔ تقسیم ہند کا امکان آہستہ آہستہ نمایاں ہو رہا تھا لیکن ایک طرف پچھلے فسادات کے چرکے تھے جو دونوں قوموں کے لیے موجب کرب و اضطراب تھے اور دوسری طرف آنے والی تشویش ناک صورتِ حالات تفکر انگیز تھی جو تقسیم کے واقع ہونے پر اُمڈنے والی تھی۔ اس سے اضطراب بڑھ رہا تھا۔ چناں چہ 1947ء کی دوسری سہ ماہی میں وہ کھچاؤ ہمیں اپنی آس پاس کی فضا میں بھی محسوس ہونے لگا۔ امرتسر جو ہم سے زیادہ دُور نہیں تھا جب وہاں فسادات بھڑکے تو اُس کی تپش قدرتی طور پر تمام ملحقہ علاقوں میں محسوس ہونے لگی۔

مئی 1947ء کے ڈائری کے اوراق بتاتے ہیں کہ ضلع گورداسپور کی فضا خراب ہو چکی تھی۔ دُور پار قتل اور بلوے کے واقعات ہونے لگ گئے تھے۔ ضلع بھر میں دفعہ 144 نافذ تھی۔ 3 جون 1947ء کے اعلان تقسیم کے بعد تو جگہ جگہ اس طرح فسادات شروع ہو گئے گویا بارود کے ذخیرے بھک سے اُڑ رہے ہوں۔ کپور تھلہ میں والد صاحب کے واقف بزرگ مستری محمد صدیق پر حملہ ہوا۔ یہ بہت ہی فقیرانہ مزاج کے متحمل بزرگ تھے اور بلاامتیاز سب لوگ ان کا احترام کرتے تھے مگر اُن کے ساتھ ہندو نوجوانوں نے جس بدتمیزی کا مظاہرہ کیا اُس سے یہ اندازہ ہو گیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہ اب سرزمین ہند پر انسانی اقدار کی خیر نہیں۔

تقسیم ہند کا اعلان تو ہو گیا تھا لیکن بعض علاقوں کے بارے میں کوئی واضح صورت ابھی سامنے نہیں آئی تھی۔ انہی میں سے ضلع گورداسپور بھی شامل تھا۔ کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ پاکستان کا حصہ بنے گا یا انڈیا کا۔ اِدھر اُدھر سے پریشان کن خبریں آ رہی تھیں کہ علاقہ میں سیوک سنگھی کارکن بہت ہی محتاط اور خفیہ طریقے سے آتے ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں۔ ایک دن یہ خبر بھی ملی کہ سرنا اسٹیشن کے ساتھ واقع سرنا گاؤں میں ایک سیوک سنگھی ہر روز علی الصبح آتا ہے اور ہندوؤں کو جمع کر کے انہیں بھڑکاتا ہے اور کچھ مشقیں بھی کراتا ہے۔

کھچاؤ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ 3 جون کے اعلان کے بعد علاقے کی فضا میں گھٹیا جذبات کی سڑاند محسوس ہونے لگی۔ حالات تیزی سے بگڑ رہے تھے، رات کو پہرے کا وسیع انتظام رہتا۔

15 اگست کو آخری طور پر خطِ تقسیم کھنچ گیا۔ دونوں طرف جشن کے شادیانے بج رہے تھے۔ ہائے وہ کیا وقت تھا جن کی جانوں پر بنی ہوئی تھی اور جن کے لیڈر بچاؤ کا نہ کوئی انتظام کر سکے تھے نہ بروقت انہیں آگاہ کر سکے تھے۔ اُن لوگوں نے آنسوؤں کے ساتھ آزادی کا خیر مقدم کیا۔

والد صاحب اپنی ڈائری میں آگے لکھتے ہیں: ایک قیاس یہ تھا کہ ضلع گورداسپور کا زیادہ حصہ پاکستان میں جائے گا۔ دوسرا اندیشہ یہ کہ ہندوستان میں شامل ہو گا۔ اسی معلق وجہ سے دو قومی کش مکش کے جذبات کا لاوا ابھی بہہ نہیں رہا تھا۔ یہ اعلان جس دن ہونے والا تھا، اُسی دن اتفاق سے مجھے ایک ضروری کام سے پٹھان کوٹ جانا پڑا۔ میں نے تانگہ لیا اور تقریباً عصر کے وقت پٹھان کوٹ جا پہنچا۔ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ بازار بند ہو رہا ہے اور ہندوؤں اور سکھوں کی ٹولیاں اِدھر اُدھر حرکت کر رہی ہیں۔ مسلمانوں کے چہرے اداس اداس دکھائی دیے۔ پوچھا کہ کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ ہونے والا اعلان ہو گیا ہے اور گورداسپور کا ضلع بھارت میں شامل کر دیا گیا ہے۔ خبر سن کر صدمہ ہوا۔ وہاں فضا میں ایک خاموشی چھائی ہوئی تھی جو کسی طوفان کا پیش خیمہ معلوم ہو رہی تھی مگر ابھی تک اللہ کی مہربانی سے سب خیریت تھی۔

جمعتہ الوداع کی نماز کا ماحول بھی بوجھل تھا۔ پھر انتیویں کی عید بھی بڑی اداس تھی۔ ہم نے عید منائی اور اللہ کا حکم پورا کرنے کے لیے اسی انداز سے منائی جیسے ہمیشہ منائی جاتی تھی۔

چوہدری نیاز علی خاں صاحب علاقہ کی مشہور معروف ہستی تھی، اس وجہ سے اردگرد کے علاقے سے چند ہی روز میں قریبی علاقے کے کافی مسلمان پناہ گزین جمع ہو گئے۔ اس طرح یہ پناہ گزینوں کا ایک اچھا خاصا کیمپ بن گیا۔

چوہدری نیاز علی خاں صاحب برابر حوصلہ دے رہے تھے کہ جلد ہی پاکستان سے گاڑیاں لینے کے لیے آ رہی ہیں لیکن ایک ایک دن قیامت معلوم ہو رہا تھا، چاروں طرف کی آبادیاں بلکہ اضلاع تک مسلمانوں سے خالی ہو رہے تھے۔ ان حالات میں ایک جزیرہ بن کر یہاں رہنا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم نے تقریباً ایک قافلہ کی صورت میں پیدل یہاں سے مارچ کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا، لیکن اسی اثناء میں اللہ کی رحمت آ گئی۔

29 اگست کو جمعہ تھا، صلوٰۃ الخوف ادا کی گئی۔ اسی روز پچھلے پہر اچانک ریلوے پھاٹک کے نیچے سے پاکستان کی فوجی گاڑیاں ہماری بستی میں داخل ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ ہم سب دیکھنے لگے کہ یہ کیا سلسلہ ہے۔ ان کے ساتھ دو بسیں تھیں۔ ایک کو انہوں نے ہماری بستی میں چھوڑا اور تاکید کی کہ جن لوگوں کو بھیجنا ہو ان کو جلد سے جلد تیار کرا دیں، کیوں کہ ہمیں صبح صبح واپس جانا ہے۔ اس بس میں صرف عورتوں اور بچوں کے لیے ہی جگہ بن سکی۔

والد صاحب تو اس بس میں نہ آ سکے، مَیں اُس بس میں تھا، چھوٹی سی بس تھی۔ مجھے تمام سفر تقریباً کھڑے ہو کر طے کرنا پڑا۔ بس میں کسی قسم کا سامان لے جانے کی گنجائش نہ تھی۔

ہم لوگ 30 اگست کی صبح کو روانہ ہوئے اور شام کو لاہور پہنچے۔

والد صاحب بتاتے ہیں کہ آپ لوگوں کے پاکستان جانے کے چند دنوں بعد لاہور سے دوبارہ فوج کی نگرانی میں بسیں آئیں۔ پٹھان کوٹ سے لاہور تک راستے بھر میں فوجی محافظین گاڑیوں پر سوار کبھی آگے سے پیچھے کو آتے اور کبھی پیچھے سے چکر لگا کر آگے ہو جاتے، دائیں بائیں دونوں جانب کی نگرانی کرتے۔ اس موقع پر پورے مسلمان مہاجرین کے لیے جس بے جگری اور جانفشانی سے ہمارے فوجی جوانوں نے بھرپور خدمات انجام دی ہیں، اس کا اعتراف دلوں سے کبھی مٹ نہیں سکتا۔ آخر جب ہم لوگ پاکستان کی سرحد میں داخل ہوئے تو واقعی یہی احساس تھا کہ ایک جہنم سے نکل کر چمن زارِ حیات میں داخل ہو رہے ہیں۔

ہم نے کچھ دن گوالمنڈی کی ایک متروکہ عمارت میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے ہم سوہن لال کالج کی عمارت میں آ گئے جو یونیورسٹی گراؤنڈ کے ساتھ ہے۔ آج کل وہاں مدرسۃ البنات ہے۔ (بقیہ: صفحہ 36)

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

رانا محمد شاہد

پاکستان کا لازوال سفر

ہمارے دلوں کی دھڑکن، پیارا وطن پاکستان 14 اگست 1947ء کو بے شمار قربانیوں کے بعد حاصل ہوا۔ آج یہ 68 برس کا ہو رہا ہے۔ ان 68 برسوں میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جو ہماری تعمیری سوچ کے عکاس ہیں اور جو ہمیں آگے بڑھنے اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات میں سے چند واقعات کا ذکر یہاں کرتے ہیں۔

قومی پرچم کی منظوری:

قیامِ پاکستان سے 3 دن پہلے یعنی 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی قانون ساز اسمبلی میں قومی پرچم منظور کرایا گیا۔ اس کا ڈیزائن دہلی کے دو بھائیوں افضال حسین اور الطاف حسین نے دیا تھا۔ بعد میں 9 فروری 1949ء کو اس کے سفید حصے میں اضافہ کیا گیا۔

ریڈیو پاکستان پہ اعلانِ آزادی:

13 اگست 1947ء کو رات تقریباً 11 بج کر 50 منٹ پر آل انڈیا ریڈیو سروس نے اپنا آخری اعلان نشر کیا۔ پھر ریڈیو پاکستان سے شناختی دھن بجائی گئی اور 11 بج کر 55 منٹ پر ظہور آذر کی آواز میں پاکستان کی آزادی اور خودمختار مملکت کے وجود میں آنے کا اعلان گونجا۔ یہ اعلان انگریزی میں تھا۔ اردو میں یہ اعلان مصطفیٰ علی ہمدانی نے کیا۔ اعلان کے بعد مولانا نواہر القاسمی نے قرآنِ مجید کی سورۃ فتح کی آیات کی تلاوت فرمائی۔ 15 اگست 1947ء کی صبح ریڈیو پاکستان لاہور کی ٹرانسمشن کا آغاز ٹھیک آٹھ بجے سورۃ آلِ عمران کی منتخب آیات سے ہوا اور پھر ساڑھے آٹھ بجے قائداعظم محمد علی جناح نے تمام پاکستانیوں کو ایک آزاد و خود مختار مملکت کے قیام کی مبارک باد دی۔

سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح:

یکم جولائی 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اسٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کیا۔ یہ قائداعظم کی آخری سرکاری مصروفیت اور آخری تقریر تھی کیوں کہ اس کے بعد وہ بیماری کی وجہ سے کسی بھی سرکاری تقریب کا حصہ نہ بن سکے۔

پی آئی اے کا قیام:

1954ء میں ایک فوجی ایئر لائن کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ چناں چہ 20 جنوری 1955ء کو پاکستان کے وزیر مملکت برائے دفاع سردار امیر اعظم خان نے پریس کانفرنس کے ذریعے پاکستان کی نیم سرکاری بین الاقوامی فضائی کارپوریشن کے قیام کا اعلان کیا۔ اس ایئر لائن کا قیام پاکستان کی ترقی کا ایک اہم سنگِ میل تھا۔

اوول ٹیسٹ کی تاریخی فتح:

اوول ٹیسٹ کی جیت نے پاکستان کرکٹ کی کامیابیوں کی

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بنیاد رکھی۔ پاکستان کی نوعمر ٹیم نے انگلستان کی تجربہ کار اور مضبوط ٹیم کو 1954ء کے اپنے پہلے ہی دورے کے چوتھے ٹیسٹ میچ میں جو اوول کے تاریخی میدان میں کھیلا گیا، شکست دے کر دُنیا کو حیران کر دیا۔ اس میچ کے اصل ہیرو فضل محمود تھے جنھوں نے صرف 99 رنز کے عوض مجموعی طور پر میچ میں 12 وکٹیں حاصل کیں۔ وکٹ کیپر امتیاز احمد نے بھی سات کیچ پکڑے۔

اولمپکس میں چاندی کا پہلا تمغہ:

1956ء کے اولمپکس میں 6 دسمبر 1956ء کو پاکستانی ہاکی ٹیم نے بھارت کو سخت مقابلے کے بعد ایک صفر سے ہرا دیا اور اولمپک میں پہلی مرتبہ چاندی کا تمغہ جیتا۔

ایم ایم عالم کا تاریخی کارنامہ:

7 ستمبر 1965ء کو بھارت کے دس طیارے سرگودھا ایئر بیس کو نشانہ بنانے کے لیے بھیجے گئے۔ اس اہم بیس کی ذمہ داری ایم ایم عالم کے سپرد تھی۔ چناں چہ جیسے ہی سرگودھا کی فضائی حدود میں دشمن کے یہ طیارے داخل ہوئے، ایم ایم عالم نے اپنے سیبر جیٹ طیارے میں اُڑان بھری اور چند لمحوں میں پانچ طیاروں کو مار گرایا۔ ایم ایم عالم نے یہ طیارے صرف 30 سیکنڈ میں تباہ کیے جو ایک عالمی ریکارڈ ہے۔ دُنیا ایم ایم عالمؒ کی اس جرأت و بہادری کو سلام پیش کرتی ہے۔ اس کارنامے سے محض ایک دن پہلے یعنی 6 ستمبر کو دشمن کے دو طیاروں کو مار گرانے پر آپ کو ستارۂ جرأت سے نوازا گیا تھا۔ اس کارنامے پہ دوبارہ یہ اعزاز دیا گیا اور یوں آپ پاک فضائیہ کے واحد سپوت ہیں جنھیں ایک ہی تمغہ محض ایک دن کے وقفے سے دو مرتبہ ملا۔

ہاکی کا عالمی اعزاز:

اکتوبر 1971ء کو اسپین کے شہر بارسلونا میں ہاکی کا پہلا عالمی کپ منعقد ہوا۔ اس ٹورنامنٹ میں پاکستان نے شان دار کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے 24 اکتوبر 1971ء کو فائنل میں میزبان ملک اسپین کو ایک صفر سے ہرا دیا۔ اس عالمی کپ کا جیتنا پاکستان ہاکی کو ترقی کی ایک نئی شکل دینا تھا۔ فائنل کا واحد اور فیصلہ کن گول اختر الاسلام نے کیا جب کہ ٹیم کی قیادت خالد محمود کر رہے تھے۔

پاکستان میں موبائل فون کا آغاز:

جنوری 1991ء میں پاکستان میں مواصلات کا ایک نیا نظام متعارف ہوا بلکہ اگر اس شعبے میں انقلاب کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ یہ موبائل فون کا نظام تھا۔ یہ نظام دونوں کمپنیوں پاک ٹیل اور انسٹافون نے متعارف کرایا تھا۔ ابتدا میں یہ بہت مہنگا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اتنا سستا ہوا کہ آج ہر عام شخص کی دسترس میں بھی آ گیا۔

"الخالد" ٹینک:

17 جولائی 1991ء کو پاکستانی انجینئروں نے "الخالد" نامی ٹینک کی تیاری کا کام مکمل کیا اور اس دن اس وقت کے پاکستانی وزیراعظم میاں نواز شریف نے اس کی تقریب رونمائی میں شرکت کی۔ اس ٹینک کو اسلام کے عظیم سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کی نسبت سے "الخالد" رکھا گیا۔ 48 ٹن وزنی اس ٹینک میں بارہ سو ہارس پاور کا انجن نصب ہے۔ اس ٹینک کا شمار دُنیا کے بہترین اور جدید ترین ٹینکوں میں ہوتا ہے۔ اس میں 125 ملی میٹر کی توپ بھی لگی ہوئی ہے جو دو کلو میٹر کے فاصلے پر حرکت کرتی ہوئی چیز کو نشانہ بنا سکتی ہے۔ اس ٹینک کے گولہ پھینکنے کی رفتار دُنیا کے کسی بھی ٹینک سے زیادہ ہے۔

کرکٹ کا عالمی چمپیئن:

25 مارچ 1992ء وہ تاریخی دن تھا جب پاکستان نے کرکٹ کا عالمی چمپیئن بننے کا اعزاز حاصل کیا۔ یہ فتح پاکستان میں کھیلوں کی تاریخ کا اہم سنگ میل تھا۔ ورلڈ کپ کے آغاز میں پاکستانی ٹیم کی کارکردگی اچھی نہ تھی۔ تاہم محنت، جذبہ اور خلوصِ نیت نے اسے ایک ناقابلِ تسخیر ٹیم میں بدل دیا اور یوں تاریخی میدان میلبورن میں انگلستان کو شکست دے کر پاکستان عالمی کپ کا فاتح ٹھہرا۔

ایٹمی دھماکے:

11 اور 13 مئی 1998ء کو بھارت نے پوکھران کے مقام پر 5 ایٹمی دھماکے کر کے خطے میں اپنی بالادستی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا جس کے جواب میں 28 مئی 1998ء کو بلوچستان کے مقام چاغی میں سہ پہر 3 بج کر 16 منٹ پر پہلا ایٹمی دھماکہ کر کے پہلی ایٹمی مسلم طاقت ہونے کا اعزاز حاصل کر لیا۔ پاکستان نے اس روز 5 ایٹمی دھماکے کیے۔ دو روز بعد 30 مئی کو پاکستان نے چھٹا ایٹمی دھماکہ کر کے نہ صرف بھارت پر فوقیت حاصل کر لی بلکہ بھارت کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایٹمی برتری و بالادستی کو بھی خاک میں ملا دیا۔ یوں 28 مئی 1998ء پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم ترین دن بن گیا۔ پاکستانی ہر سال اس دن کو "یومِ تکبیر" کے نام سے مناتے ہیں۔

تیز ترین گیند کا عالمی اعزاز:

22 فروری 2003ء کو انگلینڈ کے خلاف ایک میچ میں پاکستان کے فاسٹ باؤلر شعیب اختر نے اپنے دوسرے اوور میں نک نائٹ کو 161.3 کلو میٹر فی گھنٹہ یعنی (100.2 میل فی گھنٹہ) کی رفتار سے گیند پھینک کر دُنیا کے تیز ترین باؤلر ہونے کا اعزاز حاصل کرلیا۔

ارفع کریم رندھاوا کا اعزاز:

14 جولائی 2005ء وہ تاریخی دن تھا جب پاکستان کی کم عمر ترین طالبہ ارفع کریم نے مائیکروسافٹ کے سی ای او بل گیٹس سے ملاقات کی۔ ارفع کریم نے دُنیا کی کم عمر ترین مائیکرو سافٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ اس وقت ان کی عمر محض 9 سال 7 ماہ تھی۔ ارفع کریم 1996ء میں فیصل آباد میں پیدا ہوئیں۔ 2005ء میں ہی انہیں حکومتِ پاکستان کی طرف سے حسن کارکردگی اعزاز عطا کیا گیا۔ وہ یہ اعزاز حاصل کرنے والی پاکستان کی کم عمر شخصیت تھیں۔ جنوری 2012ء میں دُنیا بھر میں پاکستان کا نام روشن کرنے والی ارفع کریم رندھاوا کم عمری میں ہی دارِفانی سے رخصت ہوگئیں۔

5 ہزار روپے کے کرنسی نوٹ کا اجراء:

26 مئی 2006ء کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی طرف سے ملکی تاریخ کے سب سے بڑے یعنی 5 ہزار روپے مالیت کے کرنسی نوٹ کا اجراء ہوا۔ اس کرنسی نوٹ کی پشت پر فیصل مسجد اسلام آباد کی تصویر شائع کی گئی۔

علی معین نوازش کا عالمی اعزاز:

17 مارچ 2009ء کو علی معین نوازش کو پاکستانی حکومت کی طرف سے صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی اور دس لاکھ روپے نقد سے نوازا گیا۔ انہیں یہ اعزاز کیمبرج یونیورسٹی کے اے لیول کے 24 مضامین میں سے 22 مضامین میں اے گریڈ حاصل کرنے پر دیا گیا۔ یہ عالمی ریکارڈ تھا۔

☆☆☆

کھوج لگانے میں حصہ لینے والے بچوں کے نام

رہبعہ فاطمہ، راول پنڈی۔ حافظہ ثناء عروج، فیصل آباد۔ عبدالجبار روی انصاری، لاہور۔ ایمان زہرہ، لاہور۔ ارفعہ اختر، راول پنڈی۔ دعا سیین، سرگودھا۔ احمد حسن، بھکر۔ ایمن امین، گوجرانوالہ۔ سیرت فاطمہ فاروقی، رحیم یار خان۔ فاطمہ نور، شیخوپورہ۔ اسامہ خباب علی، چیچنی۔ نیمنہ خان، ایبٹ آباد۔ راحمہ صدیقی، کراچی۔ فجر ناجر، سیال کوٹ۔ نجمہ اسید خالد، ملتان۔ محمد علی قاسمی، محمد عثمان علی سکندر، وزیر آباد۔ اسماء ناصر، وہاڑی۔ رداء فاطمہ فریال، راول پنڈی۔ محمد قمر الزمان صائم، خوشاب۔ زویا احمد، راول پنڈی۔ کشف جاوید، فیصل آباد۔ محمد عبداللہ بن محمد اعظم، فیصل آباد۔ ثمرہ غفار، رحیم یار خان۔ شاہانہ اعجاز، خوشاب۔ سلمان ظفر، رحیم یار خان۔ ماہ رخ ناصر، تانیا ناصر، سرگودھا۔ عثمان ظفر، رحیم یار خان۔ محمد عرفان آفریدی، پشاور۔ عائشہ گل سید، چارسدہ۔ رائبہ فاطمہ، سیال کوٹ۔ حناء مجید غوری، پشاور۔ رامین نصرت، بہاول پور۔ شائم سہیل، راول پنڈی۔ وریشہ جواد، راول پنڈی۔ عریشہ اعجاز، لاہور۔ محمد حسن محمود اجمل، لاہور۔ سندس آسیہ، کراچی۔ جنت، لاہور۔ نُنھی فاطمہ، لاہور۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ انعم مذثر، سیال کوٹ۔ محمد حسنین خنیفہ، لاہور۔ حنظلہ عمران، لاہور۔ دانش کلیم بھٹی، ملیحہ کلیم اللہ بھٹی، لاہور۔ رومیسہ زینب چوہان، راول پنڈی۔ طاہر عبدالقیوم، ایبٹ آباد۔ ایمان فاطمہ، راول پنڈی۔ جویریہ شعیب، لاہور۔ ریحان جنیب، لاہور۔ فیصل مقصود، بہاول پور۔ محمد زبیر جمشید علی، خانیوال۔ نگار آصف، لاہور۔ مقدس چوہدری، راول پنڈی۔ اریبہ مظہر، اوکاڑہ۔ نجم السحر، منڈی بہاؤ الدین۔ اسد عبداللہ، ملتان۔ عبدالرافع گل، ملتان۔ سارہ جاوید، لاہور کینٹ۔ حائقہ کامران، راول پنڈی۔ زاہد تجمل، لاہور۔ حسان الرحمٰن، گوجرانوالہ۔ سید محمد نعمان، لالہ موسیٰ۔ محمد احسان، لاہور۔ زنیرہ جاوید بٹ، گوجرانوالہ۔ رومیصہ اشرف، اوکاڑہ۔ عائشہ سحر، پشاور۔ محمد عبداللہ ثاقب، پشاور۔ زینب زہرا، ملتان۔ ماہ نور خان لودھی، ملتان۔ محمد سعد، صوابی۔ شمسہ امین، نوشہرہ۔ زینب محبوب، جہلم۔ نعمان یوسف، گجرات۔ عبدالباری، مانسہرہ۔ کنزہ فاطمہ، فیصل آباد۔ محمد دانیال، سرائے عالم گیر۔ محمد جواد، راول پنڈی۔ صفی الرحمٰن، لاہور۔ محمد بابر عبداللہ، خانیوال۔ ہادیہ جاوید، فیصل آباد۔ حسیمہ چوہدری، ساہی وال۔ روا اقبال، کہوٹ راول پنڈی۔ طوبیٰ رحیم، بحریہ ٹاؤن۔ تقویٰ خلیق راجہ، واہ کینٹ۔ عدینہ خان، اسلام آباد۔ سید محمد عادل ہاشمی، لاہور۔ ہمایوں مرزا، سیال کوٹ۔ محمد فرحان، لاہور۔ معاویہ صالح، رحیم یار خان۔ فاطمہ شریف، لاہور۔ امجد جاوید، راول پنڈی کینٹ۔ حلیمہ سعدیہ، لاہور۔ محمد حارث سعید، بورے والا۔ فتح محمد شارق، خوشاب۔ سلیمان خان، میاں والی۔ خالد نثار، ہنگو۔ عائشہ ذوالفقار، آمنہ تبسم، لاہور۔ رانیم سلطان، جہلم۔ محمد خان، لاہور۔ محمد عبداللہ ایوب، جہلم۔ کشف طاہر، لاہور۔ حافظ غلام غوث اصغر، لاہور۔ سید حسنین شاہ، پاک پتن۔ سحر فاطمہ، لاہور۔ ثمن رؤف، لاہور۔ مریم اعجاز، لاہور۔ خدیجہ سلیمان بٹ، گوجرانوالہ۔ فضہ افضل، وقاص افضل، جھنگ صدر۔

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھیلے سیمیا

تھیلے سیمیا(Thalassemia) ایک موروثی بیماری ہے۔ یہ والدین کی جینیاتی خرابی کے باعث اولاد کو منتقل ہوتی ہے۔ اس بیماری کی وجہ سے مریض کے جسم میں خون کم بنتا ہے۔ مرض کی شدت کے اعتبار سے تھیلے سیمیا کی تین قسمیں ہیں۔ شدید ترین قسم تھیلے سیمیا میجر کہلاتی ہے اور سب سے کم شدت والی قسم تھیلے سیمیا مائنر کہلاتی ہے۔ درمیانی شدت والی قسم انٹرمیڈیٹ کہلاتی ہے۔ تھیلے سیمیا مائنر میں مریض کو کوئی تکلیف یا شکایت نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی زندگی پر خاص اثر پڑتا ہے۔ علامات و شکایات نہ ہونے کی وجہ سے ایسے لوگوں کی تشخیص صرف لیبارٹری ٹیسٹ سے ہی ہوسکتی ہے۔ ایسے لوگ نارمل زندگی گزارتے ہیں لیکن تھیلے سیمیا اپنے بچوں کو منتقل کر دیتے ہیں۔ مائنر تھیلے سیمیا میں مبتلا افراد اپنے جین کے نقص سے قطعاً لاعلم ہوتے ہیں۔

تھیلے سیمیا میجر صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اس کے دونوں والدین کو کسی نہ کسی طرح کے تھیلے سیمیا کے حامل ہوں۔ تھیلے سیمیا میجر کے مریضوں میں خون اتنا کم بنتا ہے کہ انہیں ہر دوسرے یا چار ہفتوں کے بعد خون کی بوتل لگانے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ ایسے بچے پیدائش کے چند ہی مہینوں بعد خون کی کمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی باقی زندگی بلڈ بنک کی محتاج ہوتی ہے۔ کمزور اور بیمار چہرے والے یہ بچے کھیل کود اور تعلیم دونوں میدانوں میں پیچھے رہ جاتے ہیں اور معاشرے میں صحیح مقام نہ پانے کی وجہ سے خود اعتمادی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بار بار خون لگانے کے اخراجات اور اسپتالوں کے چکر والدین کو معاشی طور پر انتہائی خستہ کر دیتے ہیں جس کے بعد نامناسب علاج کی وجہ سے بچوں کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

تھیلے سیمیا مائنر یا میجر کے افراد کی آپس میں شادی نہیں ہونی چاہیے۔ جن خاندانوں میں یہ مرض موجود ہے، ان کے افراد کو اپنے خاندان میں شادی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر ایسے افراد شادی کر چکے ہوں تو وہ بچے پیدا کرنے سے پہلے ماہرین سے ضرور مشورہ کر لیں۔

تھیلے سیمیا کی تشخیص خون کے ایک ٹیسٹ جسے ہیموگلوبن الیکٹروفورس کہتے ہیں، بیماری کی تشخیص کرتا ہے۔ یہ ٹیسٹ زندگی میں ایک بار کیا جاتا ہے اور چھ ماہ کی عمر کے بعد کیا جاتا ہے۔ تھیلے سیمیا مائنر کے افراد کو خون کی کمی ہو تو روزانہ ایک ملی گرام فولک ایسڈ کی گولیاں استعمال کرنی چاہئیں۔ تھیلے سیمیا میجر کے افراد کو ہر دوسرے یا چار ہفتوں کے بعد خون چڑھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بار بار خون لگوانے والے مریضوں کو Iron Chelating دوائیاں استعمال کرنی پڑتی ہیں۔ تھیلے سیمیا کی روک تھام کے لیے شادی سے پہلے اسکریننگ لازمی ہوتی ہے جس سے بیماری کی شرح کم ہوتی ہے۔ تھیلے سیمیا ان علاقوں میں پایا جاتا ہے جہاں ملیریا زیادہ ہوتا ہے۔

کھوج لگائیے

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اگست 2015ء ہے۔

نام: ____________

شہر: ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

دماغ لڑاؤ

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اگست 2015ء ہے۔

نام ____________

مقام ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

ہونہار مصور

اگست کا موضوع "برسات کا موسم" ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 اگست 2015ء ہے۔

نام ____________ عمر ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ____________ شہر ____________

مقاصد ____________

موبائل نمبر: ____________

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

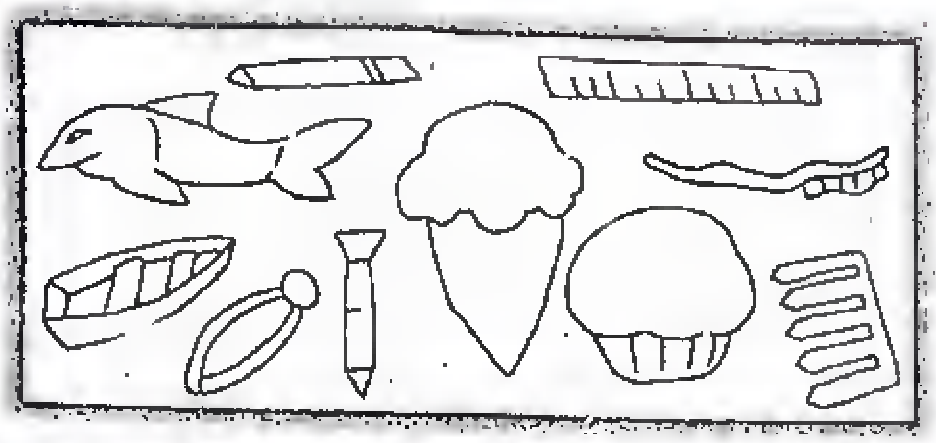

اوجھل خاکے

یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجیے اور شاباش لیجیے۔

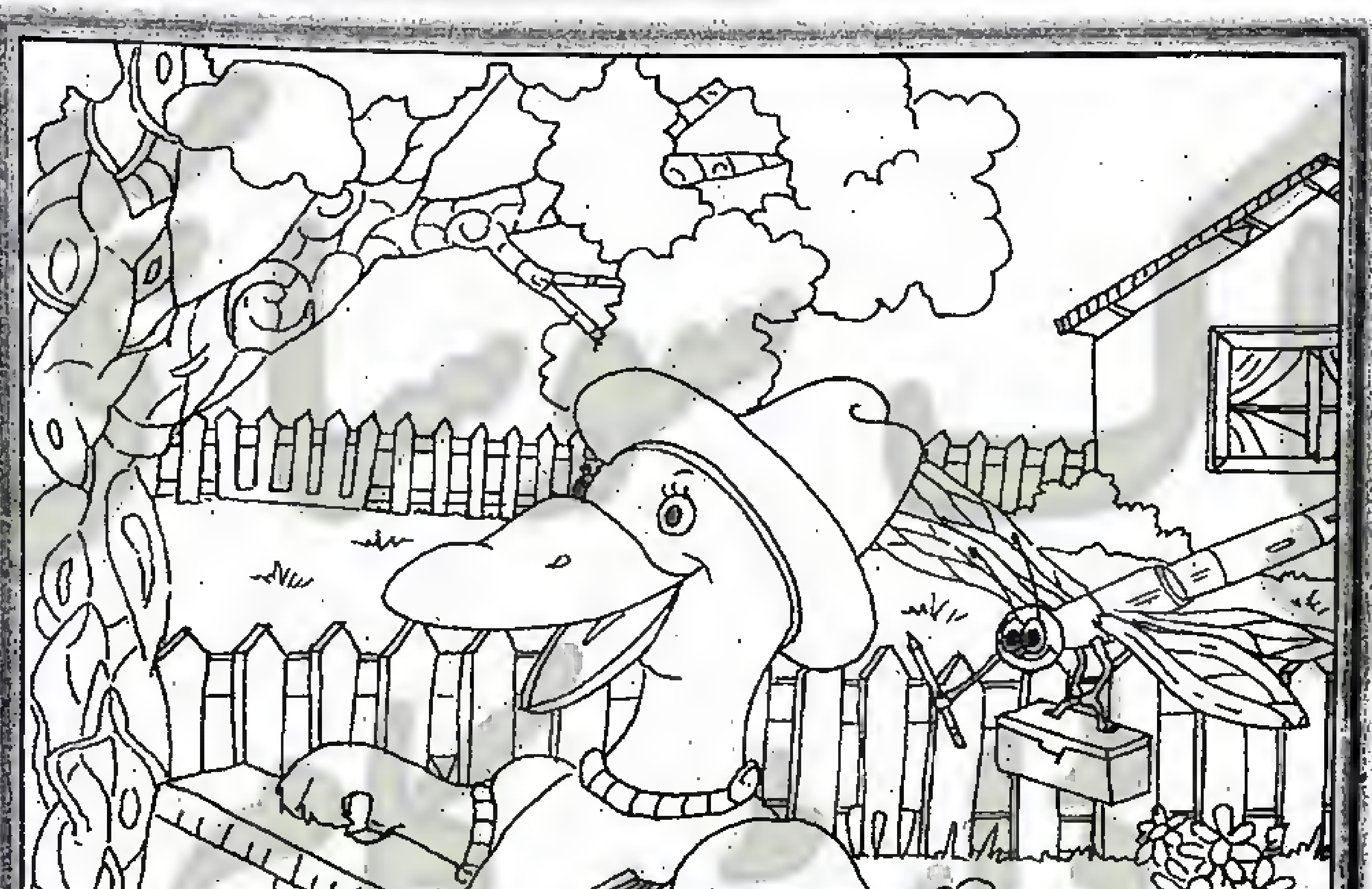

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

فتح محمد عرشی

کھڑکھانڈ گروپ نے عید منائی

گنجے والا نے اس خوبصورت عید کارڈ کو بار بار دیکھا جو اس کے ایک پیارے دوست نے بڑے خلوص سے کراچی سے بھیجا تھا۔ کارڈ پر ایک پیارا سا پھول بنا ہوا تھا اور ایک درخت کی ٹہنی پر ایک کبوتر بیٹھا تھا، جس کے گلے میں ایک خوبصورت لاکٹ تھا اور لاکٹ پر لکھا تھا: ''عید مبارک!''

گنجے والا نے کارڈ کھولا تو اندر لکھا تھا:

''خدا آپ کو ایسی ہزاروں عیدیں دیکھنا نصیب کرے!''

گنجے والا نے بڑے پیار سے عید کارڈ، کارنس پر سجا دیا۔

یہ جملہ پڑھ کر گنجے والا خوشی سے جھوم اُٹھا تھا کیوں کہ اس بار اس نے عید کے لیے دو جوڑے سلوائے تھے۔ ایک جوڑا سفید براق کاٹن کا اور دوسرا ہلکے آسمانی رنگ کا۔ اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ مبارکاں نے تو جل کر کہہ دیا تھا کہ ''اللہ! ہو جیہا کرا!'' (اے اللہ! ہمیں ایک جیسا کر دے۔)

گنجے والا نے اس پر دل کھول کر قہقہہ لگایا تھا اور کہا تھا:

''خرچہ کرو پیارے خرچہ!''

مبارکاں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تھا۔''یاد رکھنا...... مظلوم کی آہ عرش کو بھی ہلا دیتی ہے۔''

اس پر ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ خیر، کھڑکھانڈ گروپ میں یہ نوک جھونک چلتی ہی رہتی ہے۔ اس لیے فکر کی کوئی بات بھی نہیں تھی لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں کہ......

دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

تو مبارکاں کی فریاد نے بھی شاید عرش تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ ہوا یوں کہ گنجے والا جب بن ٹھن کر عید کی نماز کے لیے جامع مسجد کو روانہ ہوئے تو ایک تیز رفتار کار زن سے ان کے پاس سے گزری۔ عین کراسنگ کے وقت کار کا شیشہ ذرا سا نیچے سرکا اور کار میں سوار ایک آدمی نے پان کی پیک باہر تھوک دی۔ ہوا کی مزاحمت کے باعث گنجے والا تک پہنچتے پہنچتے اس کا ''دائرۂ عمل'' کافی وسیع ہو چکا تھا۔ چناں چہ جب گنجے والا اس کا نشانہ بنا تو اس کے سفید براق کپڑے لہو رنگ ہو چکے تھے۔ گنجے والا صدمے کی کیفیت میں بت بنا اپنے نئے جوڑے کا حشر دیکھ رہا تھا۔ کار کہیں دُور نکل گئی تھی جب مبارکاں کی آواز اسے حقیقی دُنیا میں واپس لے آئی۔

''مبارکاں مبارکاں...... لگتا ہے اصیل مرغا ذبح کر کے آ رہے ہو...... یعنی آج ہماری عید پارٹی آپ کے پاس ہوگی!''

گنجے والا نے اسے یوں گھور کر دیکھا جیسے کچا چبا جائے گا۔ ''بیٹے! تمہیں تو میں زہر کھلاؤں گا۔ کالی زبان ہے تمہاری۔ تم

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے میرے کپڑوں کے پیچھے منہ کیا تھا۔ ابھی ایک ہڈ حرام نے کار سے پان کی پیک تھوک کر ستیا ناس کر دیا ہے نئے جوڑے کا۔"

گنجے والا کا غصہ عروج پر تھا، اس لیے مبارکاں نے کھسک جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

گنجے والا واپس گھر کی طرف چل پڑا۔ شکر ہے کہ اس بار اس نے دو جوڑے سلوائے تھے ورنہ عید گھر پر گزارنا پڑتی کیوں کہ ان کپڑوں میں تو وہ 302 کا اشتہاری لگتا۔

گنجے والا جب گھر میں داخل ہوا تو اس کی بیگم صاحبہ ایک میٹھی ڈش تیار کر رہی تھیں۔ گنجے والا پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار "ہائے اللہ!" نکلا اور چمچی ان کے ہاتھ سے گر پڑی۔ گنجے والا نے جلدی سے بوکھلا کر کہا۔ "ارے.... ارے.... کچھ نہیں ہوا۔ یہ ایک نامعقول گدھے نے کار میں سے مجھ پر پان کی پیک پھینک دی۔ یہ خون نہیں ہے!"

یہ سن کر ان کی بیگم کچھ سنبھل گئیں اور حیران ہو کر کہا۔ "کیا اب گدھے بھی پان کھانے لگے ہیں اور کار میں گدھا؟ یہ کیا بیہودگی ہے!" بیگم صاحبہ کا پارہ اچانک چڑھ گیا۔

گنجے والا نے دل ہی دل میں "جل تو جلال تو، آئی بلا ٹال تو" کا ورد کرتے ہوئے وضاحت کی۔ "نن.... نہیں.... میں دراصل اس نامعقول انسان کو گدھا کہہ رہا تھا، جس نے نئے جوڑے کا ستیاناس کر دیا ہے۔ خیر، ذرا دوسرا جوڑا دینا۔ شکر ہے اس بار دو سوٹ بنوا لیے تھے۔"

بیگم صاحبہ نے پہلے تو گنجے والا کو لتاڑنا ضروری سمجھا۔ پھر اس نے کار والے "گدھے" کو چند ناقابلِ اشاعت قسم کے القابات سے نوازا۔ بہرحال گنجے والا دوسرا جوڑا پہن کر عید پڑھنے جامع مسجد جا پہنچا۔ نمازِ عید کے بعد کھڑ کھاند گروپ پُر جوش انداز میں ایک دوسرے سے ملا۔ اتنے میں بھیک مانگنے والوں نے انہیں گھیر لیا۔ خیر، یہ سوچ کر کہ عید کی خوشیاں سانجھی ہوتی ہیں، سارے کھڑ کھاندیوں نے حسب توفیق انہیں عیدی دی۔ پھر وہ گھر روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ گنجے والا کو ملنگی کا فون موصول ہوا۔ وہ کافی گھبرایا ہوا تھا۔ "کیوں جی، خیر تو ہے؟" گنجے والا اس کی آواز سن کر پریشان ہو گیا۔

"کیا پوچھتے ہو یار...." ملنگی نے فریاد کی۔ "لاہور میں رہنے والی میری دو خالائیں اچانک کہیں سے ٹپک پڑی ہیں، اپنے درجن بھر بچوں کے ساتھ۔ عیدی تو انہیں جیسے تیسے دے دی، لیکن وہ شیطان کے بچے.... اب ان کی نامعقول فرمائشوں کا سلسلہ جاری ہے۔ کوئی کہتا ہے: انکل! ہمیں بریانی کھلاؤ۔ کوئی "لیگ پیس" کی فرمائش کر رہا ہے اور کوئی ندیدہ "والز آئس کریم" سے کم پر راضی نہیں.... ارے مار ڈالا مجھے تو انہوں نے..... کوئی حل بتاؤ یار ان آفت کے پرکالوں سے جان چھڑانے کا۔"

گنجے والا کی آنکھیں شریر انداز میں آنکھوں کے حلقے میں سرچ لائیٹ کی طرح گردش کرنے لگیں۔ اس نے بڑی مشکل سے قہقہہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "تم بالکل فکر مت کرو.... میں ابھی آیا۔ کوئی حل نکالتے ہیں ان فتنوں کا۔"

پھر گنجے والا نے کھڑ کھاند گروپ سے رابطہ کیا اور انہیں ملنگی کے گھر پہنچنے کو کہا۔ وہ دراصل ملنگی کی حالت سے محظوظ ہونا چاہتا تھا کہ چلو اسی بہانے عید کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

☆.....☆.....☆.....☆

جب گنجے والا ملنگی کی بیٹھک میں پہنچا تو پورا کھڑ کھاند گروپ وہاں پہنچا ہوا تھا۔ ملنگی ایک کونے میں بیمار بکرے کی طرح منہ لٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔ گنجے والا نے اندر داخل ہوتے ہی خالص عربی لہجے میں سلام کیا۔ "السلامُ علیکم یا اہل القبور!"

یہ سنتے ہی دادا بڈی نے بھنا کر کہا۔ "یہ کیا بیہودگی ہے؟ کیا ہم تمہیں قبروں والے دکھائی دیتے ہیں؟"

"ملنگی کی حالت دیکھ کر تو ایسا ہی لگتا ہے جیسے ابھی ابھی منکر نکیر کو حساب دے کر قبر سے باہر آیا ہو۔" گنجے والا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"منکر نکیر کو تو نہیں..... البتہ ابھی ابھی گولڑوی کباب فروش کو حساب دے کر آیا ہوں اور حساب بھی ایسا کہ اپنی جمع پونجی لٹائے بیٹھا ہوں!" ملنگی نے ایک سرد آہ پر جملہ مکمل کیا تھا۔

"یار ایک سرد آہ اور بھرنا..... بڑی گرمی تھی۔ آپ کی سرد آہ کی وجہ سے ٹمپریچر کافی حد تک گر گیا ہے۔" چھوٹے والا نے چہک کر کہا۔

"بالکل بالکل، ایسا لگتا ہے جیسے قطب شمالی کی سیر کر کے آ رہی ہو۔" مبارکاں بھی شرارت سے باز نہیں آیا تھا۔

ملنگی ان دونوں کو گھور کر رہ گیا۔ اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی، اچانک سات، آٹھ سال کا ایک پیارا سا لڑکا اندر داخل ہوا اور آتے ہی گنجے والا کو سلام کرتے ہوئے کہا۔ "ہیلو انکل،

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

السلام علیکم! عید مبارک!‘‘

گنجے والا خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ آخر کو اس بچے نے صرف گنجے والا کو ہی عید مبارک کہا تھا۔ گنجے والا نے جھٹ سے اپنی جیب سے سو روپے کا کرارا نوٹ نکالا اور اسے دیتے ہوئے کہا۔ ’’یہ لو اپنے انکل کی طرف سے عیدی... کھاؤ، پیو اور عیش کرو۔‘‘

لڑکے نے انتہائی تمیز سے نوٹ لیا اور شکریہ ادا کر کے اندر چلا گیا۔ وہ ملنگی کا لاہور والا کزن تھا۔

اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی، اچانک نصف درجن کے لگ بھگ بچے اندر داخل ہوئے۔ ان کی عمریں دس سال سے کم ہی ہوں گی۔ انہوں نے آتے ہی گنجے والا کو گھیر لیا اور عیدی کی فرمائش شروع کر دی۔ گنجے والا نے انہیں بیس بیس روپے دے کر ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہ شیطان تو پورے وکیل لگتے تھے۔ کہنے لگے: ’’نہیں انکل، بلال کو تو آپ نے پورے سو روپے دیے ہیں۔ ہم بھی اس سے کم ہرگز نہیں لیں گے۔‘‘

گنجے والا نے بہتیرا دامن بچایا لیکن وہ اتنے ضدی تھے کہ پچاس، پچاس روپے لے کر ہی ٹلے۔ اب ملنگی ہنس رہا تھا اور گنجے والا کی حالت دیکھ کر یوں لگتا تھا، جیسے وہ کسی کی ماتم پرسی پر آیا بیٹھا ہو۔ گنجے والا سوچ رہا تھا کہ آیا تو تھا ملنگی کی حالت پر ہنسنے، اب یہ میری حالت پر ہنس رہے ہوں گے۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ ساری شرارت کھڑکھاند گروپ کی تھی۔ انہوں نے باقاعدہ پلاننگ کر کے بچوں کو سمجھایا تھا کہ تم لوگ گنجے والا کے سر ہو جانا اور عیدی لے کر ہی ٹلنا لیکن گنجے والا اس ساری سکیم سے لاعلم تھا۔ اس لیے وہ اسے بلائے ناگہانی ہی سمجھ رہا تھا۔

’’مبارکاں... مبارکاں!‘‘ مبارکاں نے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے کہا۔ ’’واہ جی واہ، کمال ہے... لاہور کے بچے بھی آپ کے فین نکلے!‘‘

اور ملنگی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ’’ابھی تو یہ میری صرف ایک خالہ کے بچے تھے، دوسری خالہ کے بچے بھی آتے ہی ہوں گے۔ دوسرے کھڑکھاندی بھی ان کے ’’خودکش حملے‘‘ کے لیے تیار رہیں۔‘‘

’’ارے باپ رے... مارے گئے پھر تو... شہر کے بڑے میدان میں جھولے لگے ہوئے ہیں، آؤ ادھر چلیں۔‘‘ چھوٹے والا نے بوکھلا کر کہا اور سب ملنگی کی بیٹھک سے یوں باہر نکلے، جیسے ان کے پیچھے ملک الموت لگا ہوا ہو۔ گنجے والا سب سے آگے تھا۔

.....☆.....

میدان میں بہت رش تھا۔ رنگ برنگے جھولے لگے ہوئے تھے۔ کہیں عام جھولے تھے تو کہیں افقی جھولے یعنی Marry-go-round۔ ایک طرف ایک بہت بلند پہیہ لگا ہوا تھا، جس کے جھولے میں بیٹھنے والے جب اوپر جاتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے بادلوں کو چھو آئے ہوں۔

عام جھولے مفت تھے۔ چنانچہ دادا بڈی اور چھوٹے والا نے انہی کا رُخ کیا اور ایک جھولے پر قبضہ جما لیا۔ پہلے تو وہ باری باری جھولا جھولتے رہے، پھر دادا بڈی نیچے بیٹھ گیا اور چھوٹے والا اس کے دائیں بائیں پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس طرح دونوں نے مل کر زور لگایا تو مزہ آ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے جھولا اوپر سے گھوم کر دوسری طرف آ جائے گا۔ دادا بڈی اور چھوٹے والا خوشی سے قلقاریاں مار رہے تھے اور باقی کھڑکھاندی انہیں حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک جھٹکے سے جھولے کی ایک زنجیر ٹوٹ گئی۔ چھوٹے والا اور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دادا بڈی ہوا میں تقریباً اُڑتے ہوئے گرے اور پھر لڑھکتے ہوئے کھڑکھاند گروپ کے قدموں میں آ گرے۔ ان کی چیخیں ہی تو نکل گئی تھیں۔ کھڑکھاند گروپ کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔ باقی لوگ بھی ہنسنے لگے۔ شکر ہے زمین نرم تھی۔ اس لیے انہیں کوئی خاص چوٹیں نہیں آئی تھیں ورنہ کوئی ہڈی پسلی بھی ٹوٹ سکتی تھی۔

''مبارکاں، مبارکاں۔'' مبارکاں نے چلاّ کر کہا۔''مفت کے جھولوں پر بیٹھنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔''

چھوٹے والا نے اپنی ہڈی پسلی سہلاتے ہوئے کہا۔''یارو، مفت کا اپنا ہی مزہ ہے۔ چاہے کھانا ہو یا جھولا.... جہاں رقم کا نام آ گیا، سمجھو کباب میں ہڈی آ گئی، سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔''

''چلو اب بھوت بنگلے میں چلیں.... کچھ انٹرٹینمنٹ ہو جائے۔'' ملنگی نے تجویز پیش کی اور مبارکاں فوراً ہی تیار ہو گیا۔ البتہ باقی کھڑکھاندیوں نے معذرت کر دی۔ مبارکاں اور ملنگی ٹکٹ لے کر اندر چلے گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی اندر سے چیخیں سنائی دینے لگیں۔ کھڑکھاند گروپ نے سمجھا کہ جن بھوت چلاّ رہے ہیں کیوں کہ آخر کو وہ بھوت بنگلا تھا لیکن چند لمحوں بعد مبارکاں اور ملنگی اس حال میں بھاگتے ہوئے باہر آئے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ اس بُری طرح ہانپ رہے تھے، جیسے سچ مچ بھوت ان کے تعاقب میں ہوں۔

''خدا کی پناہ....'' ملنگی نے لرزتے ہوئے کہا۔''میری توبہ جو آئندہ بھوت بنگلے کا رُخ بھی کروں.... اس میں تو سچ مچ بھوت بھرے ہوئے تھے۔ ہائے اللہ! ایک بھوت نے تو میرے بال نوچ لیے۔''

''ہاں اور کیا.... اور دوسرے بھوت کے خونخوار خنجر سے تو اللہ بچائے.... شکر ہے ہم بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ورنہ آپ لوگوں کو ہمارے مزار پر قوالیاں کرانی پڑتیں۔'' مبارکاں نے کچھ سنبھل کر کہا۔

''اچھا دفع کرو۔ جو ہو گیا، سو ہو گیا۔'' گنجے والا نے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔''آؤ اب اس بڑے جھولے پر بیٹھتے ہیں۔ ٹکٹ میرے ذمے۔''

کھڑکھاند گروپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہمیں تو اسے دیکھ کر ہی ہول آتا ہے۔ آخر گنجے والا کے اصرار پر دادا بڈی نے اس کے ساتھ بیٹھنے کی ہامی بھری۔ گنجے والا اور دادا بڈی جھولے میں بیٹھ گئے۔ پہلے دو، تین چکر تو جھولے نے آہستہ آہستہ لگائے۔ چنانچہ دادا بڈی اور گنجے والا جب اوپر جاتے تو کھڑکھاند گروپ کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلاتے اور چلاّ کر کہتے۔''ارے اس کا اپنا ہی مزہ ہے۔ آ جاؤ تم بھی۔'' لیکن جب جھولا تیز ہوا تو انہیں یوں لگا جیسے ان کی آنتیں باہر آ جائیں گی۔ دادا بڈی کا حلق سوکھ گیا، آنکھیں باہر نکل آئیں اور ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں۔ گنجے والا کی حالت تو بالکل خراب تھی۔ جب جھولا نیچے آتا تو وہ چیخ کر جھولے کے آپریٹر سے کہتا۔''ارے جھولا روکو.... سارے پیسے مجھ سے لے لو۔'' لیکن اتنے میں جھولا اوپر چلا جاتا اور اس کی آوز شور میں دب جاتی۔ جونہی جھولا پھر نیچے آتا، وہ چلاّ اُٹھتا۔''جھولا روکو.... سارا کرایہ مجھ سے لے لو....'' اور جھولا پھر اوپر!

''ہائے میں مرا.... ارے روکو کھڑکھاندیو!'' اور پھر جھولا اوپر چلا جاتا۔

کھڑکھاند گروپ کا ہنس ہنس کر بُرا حال تھا۔ جب جھولا اپنے چکر پورے کر کے رُکا تو گنجے والا نیچے اُتر کر تقریباً گر پڑا تھا۔ دادا بڈی کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں! اور کھڑکھاند گروپ کا ہنس ہنس کر بُرا حال تھا۔ وہ بھی پیٹ پکڑے لیٹے ہوئے تھے۔

جب گنجے والا کی حالت کچھ سنبھلی تو اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔''شکر ہے جان بچ گئی.... میں تو سمجھا تھا کہ اب مر کر ہی اس خبیث جھولے سے نجات ملے گی۔ میری توبہ جو آئندہ اس شیطانی چرخے پر بیٹھوں.... بلکہ میں تو کل ہی کالے بکرے کا صدقہ کروں گا۔''

''مبارکاں، مبارکاں۔'' مبارکاں نے خوشی سے چہک کر کہا۔''یعنی کل کھڑکھاند گروپ کی دعوت آپ کے ہاں ہوگی.... میرا ذرا خصوصی خیال رکھنا۔''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں.... بکرے کی کالی سری تمہارے لیے رکھوں گا۔ کیوں کہ تمہاری کالی زبان کی بدولت ہی عید کا دن میرے لیے 'وعید کا دن' بن گیا ہے۔'' گنجے والا نے جل کر کہا اور کھڑکھاند گروپ نے اتنا زوردار قہقہہ لگایا کہ بچے سہم کر اپنی ماؤں سے لپٹ گئے۔

گنجے والا نے گھر آ کر پہلا کام یہ کیا تھا کہ کارنس پر بڑے پیار سے سجائے ہوئے کارڈ کو اُٹھا کر اسے دو ٹکڑے کیا تھا۔ پھر چار ٹکڑے.... اور پھر اسے آٹھ سے ضرب دے ڈالی تھی۔ ☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

میری پہچان پاکستان

گزرتے لمحوں میں وفا پاس رکھیں گے
مرتے ہوئے بھی تیری پیاس رکھیں گے
تیرے کوچوں پہ نچھاور کر دینی ہے
اپنی جوانی کی راحتیں
اپنی امنگوں کی چاہتیں
سب جذبوں کی ساعتیں
تیرا وجود ہی میرا وجود ہے
تیرا قیام ہی میرا قیام ہے
تپتی دوپہر میں نخلستان ہے
تو میرا پاکستان ہے
میری ذات کی پہچان ہے
تو میرا پاکستان ہے

(انعم علی، کوئٹہ)

قائداعظم اور پاکستان

قیامِ پاکستان سے دو سال قبل ایک بار مولانا حسرت موہانی دہلی گئے اور قائداعظم سے ملنے ان کی رہائش گاہ پر پہنچے تو شام کا وقت تھا۔ مولانا نے اپنی آمد کی اطلاع کرانے کے لیے ملازمین سے کہا مگر ہر ایک نے معذرت کی کہ ہم قائداعظم کے پاس نہیں جا سکتے۔ اس وقت وہ کسی سے ملاقات نہیں کریں گے۔ مولانا بھی اپنی دھن اور ارادے کے پکے تھے۔ انہوں نے کہا ہم بھی ملے بغیر نہیں جائیں گے اور یہیں دھرنا دے کر بیٹھیں گے۔ نمازِ مغرب کا وقت تھا۔ مولانا نے کوٹھی کے لان میں ہی نماز ادا کی اور وہیں ٹہلنے لگے۔ پھر سوچا کہ کسی طرح یہ پتا لگائیں کہ قائداعظم کمرے میں موجود ہیں تاکہ بلا اطلاع وہیں پہنچ جائیں۔ یہ سوچ کر کوٹھی کے برآمدوں میں گھوم رہے تھے کہ ایک کمرے سے کسی کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ مولانا نے خیال کیا کہ شاید قائد اسی کمرے میں کسی سے محوِ گفتگو ہیں۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا، چناں چہ انہوں نے کھڑکی پر چڑھ کر اندر جھانکنے کی کوشش کی اور جو کچھ دیکھا اسے من وعن بیان کر دیا۔ ”اندر کمرے میں مصلا بچھا ہوا تھا اور قائداعظم گریہ وزاری میں مصروف تھے۔ فاصلے کی وجہ سے ان کے الفاظ سنائی نہ دیتے تھے لیکن اندازہ ہو رہا تھا کہ ان پر رقت طاری ہے اور باری تعالیٰ کے حضور مسلمانوں کی فلاح و بہبود، حصولِ آزادی، اتحاد و تنظیم اور پاکستان کے لیے دعا و التجا کر رہے ہیں۔“

(احور رانا، لاہور)

ایک سوال

اشفاق احمد لکھتے ہیں، ایک سوال نے مجھے بہت پریشان کیا۔ سوال تھا: ”مومن اور مسلم میں کیا فرق ہے؟“ بہت سے لوگوں سے پوچھا مگر کسی کے جواب سے تسلی نہ ہوئی۔ ایک دفعہ گاؤں سے گزر رہا تھا، دیکھا کہ ایک بابا گنے کاٹ رہا ہے۔ نہ جانے کیوں دل میں خیال آیا کہ ان سے یہ سوال پوچھ لوں۔ میں نے بابا جی کو سلام کیا اور اجازت لے کر سوال پوچھ لیا۔ بابا جی تھوڑی دیر میری طرف دیکھتے رہے اور جواب دیا: مسلمان وہ ہے جو اللہ کو مانتا ہے۔ مومن وہ ہے جو اللہ کی مانتا ہے۔ ☆

مجھے معاف فرمایئے

نواب صدیق خان قنوجی نے بھوپال میں ایک دینی مدرسہ کھولا اور خواہش ظاہر کی کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی ’صدر مدرس‘ بن جائیں۔ مولانا نانوتوی اس زمانے میں میرٹھ کے کسی پریس میں دس روپے ماہوار پر کتابوں کی تصحیح کا کام کرتے تھے۔ نواب صاحب نے انہیں خط لکھا اور تین سو روپے ماہوار کی پیش کش کی۔ مولانا نے جواب دیا اور لکھا۔ ”یہاں میں دس روپے پاتا ہوں۔ پانچ روپے اپنے آپ پر اور طالب علموں پر خرچ کرتا ہوں۔ باقی گھر دیتا ہوں۔ خوب گزارا ہو رہا ہے۔ آپ نے تین سو روپے کی پیش کش کی۔ اس سے دل پریشان ہو گیا ہے کہ باقی دو سو نوے روپے کہاں خرچ کروں گا۔ از راہِ کرم مجھے معاف فرمایئے۔“

(ثمین، ساہی وال)

اقوال حضرت معروف کرخیؒ

☆ دولت کے بھوکے کو کبھی حقیقی راحت نہیں ہو سکتی۔
☆ ایسی بات میں گفتگو کرنا جس میں کسی کا فائدہ نہ ہو، علامت ضلالت و گمراہی ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میری زندگی کے مقاصد

محمد کامل شاہ، لاہور

میں فوج میں جا کر ملک کی حفاظت کروں گا۔

نادر علی، کراچی

میں بڑا ہو کر ظلم کے خلاف آواز اٹھاؤں گا۔

محمد احمد خان غوری، بہاولپور

میں فوجی افسر بن کر ملک و قوم کی حفاظت کروں گا۔

اسد جاوید، لاہور

میں بڑا ہو کر آرمی آفیسر بنوں گا اور ملک کی حفاظت کروں گا۔

داؤد ابراہیم، راولپنڈی

میں دینِ اسلام کی خدمت کروں گا۔

یاسر عبدالناصر

میں بڑا ہو کر دکھی انسانیت کی خدمت کروں گا۔

محمد باسط خان، میاں والی

میں فوجی افسر بن کر ملک کی حفاظت کروں گا۔

ارحم عزیز

میں بڑا ہو کر فوجی افسر بنوں گا۔

سعیدہ فاطمہ، فیصل آباد

میں فوج میں شامل ہو کر ملک و قوم کی خدمت کروں گی۔

محمد خان، ملکہ بانس

میں فوجی افسر بن کر ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

اسامہ بن خرم، گوجر خان

میں فوجی بن کر ملک و قوم کی حفاظت کروں گا۔

سبیکا ڈوگر، فیصل آباد

میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

ثمن رؤف، لاہور

میں ڈاکٹر بن کر اپنے والدین کا نام روشن کروں گی۔

شاہ بہرام انصاری، ملتان

میں پڑھ لکھ کر اچھا انسان بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

اسامہ ظفر رانجھا، راولپنڈی

میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلوں گا۔

محمد ابراہیم، پیرمحل

میں کرکٹر بن کر ملک و قوم کا نام روشن کروں گا۔

لاریب افضل، اٹک کینٹ

میں پائلٹ بن کر پاکستان کا نام روشن کروں گی۔

محسن خان، کراچی

میں بڑا ہو کر حافظِ قرآن بنوں گا اور سائنس دان بن کر ملک کی خدمت کروں گا۔

قرۃ العین، سیالکوٹ

میں چاند پر پاکستان کا جھنڈا لہراؤں گی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

بوجھو تو جانیں

ننھے قارئین

1- آپ جلے اور مجھے جلائے
دھواں دے اور جی بہلائے

2- ایک مربع سو کیاری
دو مقدم چار پٹواری

3- سفید مرغی ، نیلے پاؤں
چل میری مرغی گاؤں گاؤں

(محمد شکیب، بہاول پور)

4- کالے بن میں پھرتی ہے اور لال پانی پیتی ہے

5- ایک گھوڑا تیس سوار بوجھنے والا برخوردار

6- پیچھے پیچھے سب کے جائے جدھر اُجالا اُدھر نہ جائے

7- ایک قلعہ میں برج ہزار
برج برج میں پہرے دار

کیسا عجیب قلعہ بنایا
نہ مٹی نہ چونا لگایا

(مائرہ حنیف)

8- ایک اکیلا سب کے ساتھ
سب کے اوپر اس کا ہاتھ

9- ابا جی بازار جانا
میرے جیسی گڑیا لانا

10- بیٹھے بالکل اونٹ کے جیسے
اُڑتا ہے جیسے فٹ بال
جسم پر کوئی بال نہیں ہے
چکنی رنگ برنگی کھال

(محمد عمیس خان، نوال خان، ڈیرہ غازی خان)

جوابات: 1- حقہ 2- روپیہ 3- پوسٹ کارڈ 4- جوں 5- رحل اور قرآن 6- سایہ 7- مکھیوں کا چھتہ 8- اللہ تعالیٰ 9- آئینہ 10- مینڈک

کتنے بلبلے؟ ننھے میاں جلدی جلدی بلبلے تو بنائے جا رہے ہیں مگر اُن سے ان کی گنتی نہیں ہو پا رہی۔ آپ جلدی جلدی انہیں گن کے دکھائیے!

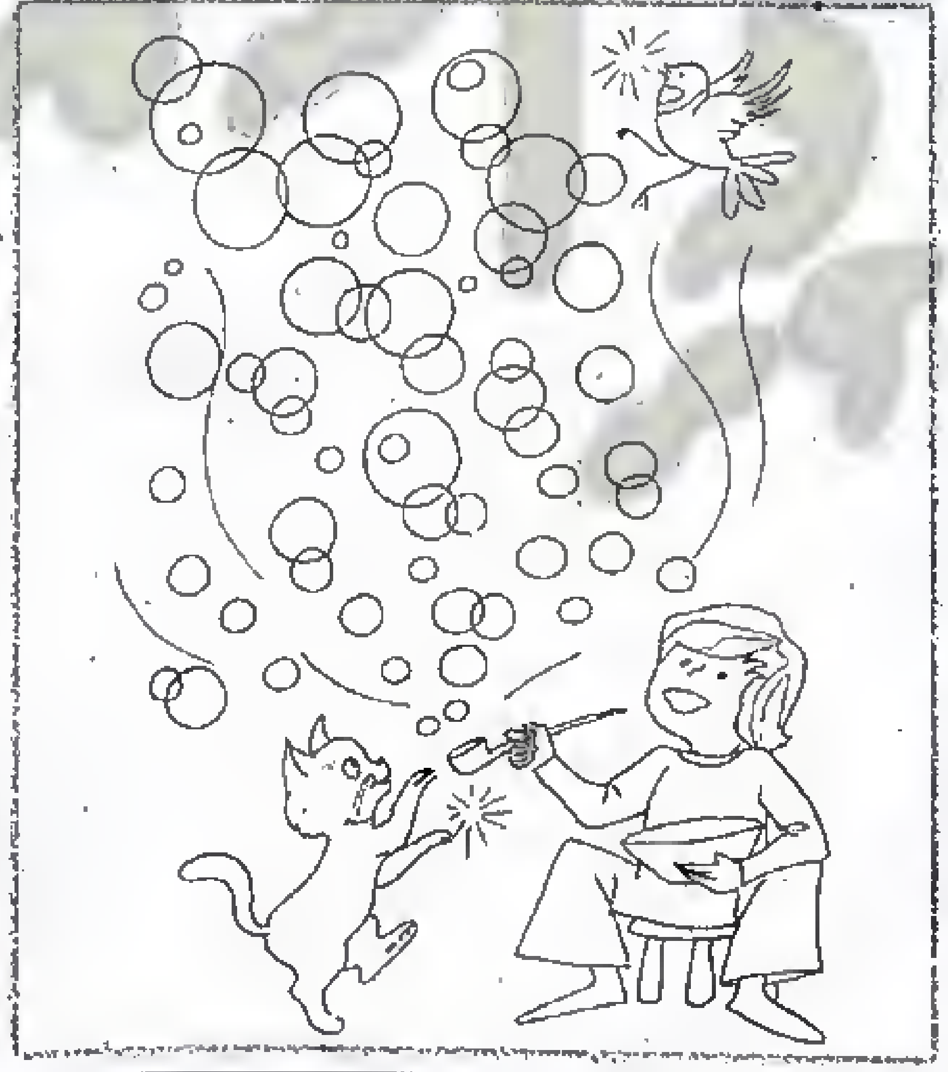

بوجھو تو جانیں! بی مانو اتنے سارے گولوں سے کھیلتے کھیلتے انہیں اُلجھا بیٹھیں۔ آپ صرف یہ بتائیں کہ اس وقت کون سا گولہ بی مانو نے پنجوں میں پکڑا ہوا ہے؟

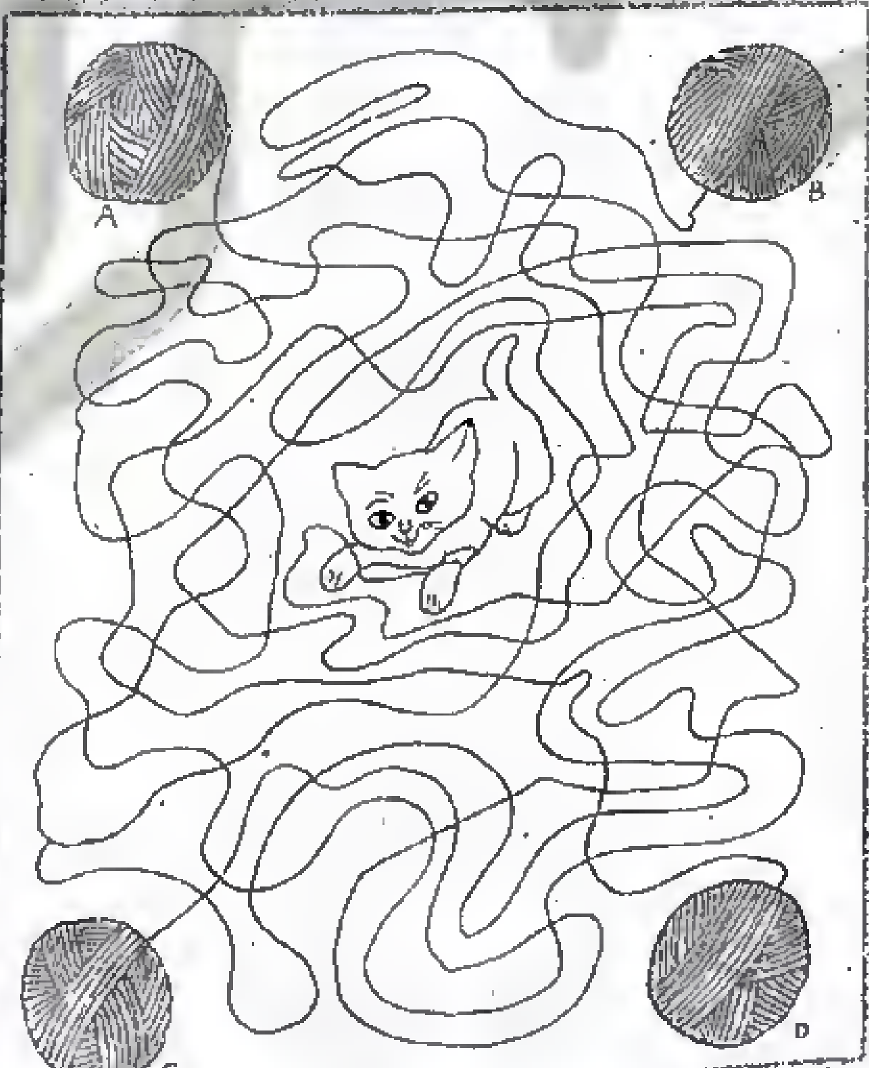

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

آئیے مسکرائیے

ماں (بیٹے سے): ''منا رو رہا ہے تم اسے چپ کیوں نہیں کراتے؟''
بیٹا: ''میں مصروف ہوں۔''
ماں: ''تمہیں کیا مصروفیت ہے؟''
بیٹا: ''میں منے سے چاکلیٹ چھین کر کھا رہا ہوں۔''
(مقصود احمد منظر، لاہور)

ایک اُستانی (سردی کے باعث): ''اوئی، میں تو مری جا رہی ہوں۔''
دوسری اُستانی: ''ہیں! مری جانے کا یہ کون سا موسم ہے؟''

☆

نرس (مریض سے): ''جاگو، جاگو۔''
مریض (گھبرا کر جاگ اُٹھتا ہے): ''کیوں، کیا ہو گیا؟''
نرس: ''میں تمہیں سونے کے لیے گولیاں دینا بھول گئی تھی۔''
(احور رانا کامران، لاہور)

جج: ''تم نے اس کا بٹوہ کیسے چرایا؟''
ملزم: ''جی! یہ راز کی بات ہے، پھر کبھی بتاؤں گا۔''
(کظیمہ زہرہ، لاہور)

ادریس (اپنے دوست حنیف سے): ''آج کل تو پانی بھی خالص نہیں ملتا۔''
حنیف (حیرت سے): ''وہ کیسے؟''
ادریس: ''پانی سے بھی بجلی نکال لی جاتی ہے۔'' (ثروت یعقوب، لاہور)

پولیو کے قطرے پلانے والا عملہ ایک مکان کے سامنے رُکا اور مکان کے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک آدمی باہر نکلا تو ڈاکٹر نے بتایا: ''ہم بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے آئے ہیں۔''
اس آدمی نے اپنے بڑے بیٹے کو آواز دی: ''بیٹا! پسٹل اور بندوق لے آؤ۔'' عملے نے یہ سنتے ہی دوڑ لگا دی۔ وہ آدمی بولا۔ ''ٹھہرو! بھئی یہ میرے چھوٹے بیٹے اور بیٹی کے نام ہیں۔'' (نزل رانا، لاہور)

ایک آدمی کے گھر رات بارہ بجے کے قریب ٹیلی فون آیا۔ اس نے بڑے غصے سے کہا۔ ''جہنم سے بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے جواب ملا: ''بس یہی معلوم کرنا تھا کہ آپ جیسا بدتمیز کہیں جنت میں نہ چلا گیا ہو۔'' (ضحویٰ، ساہی وال)

ہفتہ خوش اخلاقی کے دوران ایک کلرک کو میز پر سوتے دیکھ کر صاحب نے اسے آرام سے جگایا اور انتہائی نرمی سے کہا: ''معاف کرنا بھائی، میں تمہیں ہرگز نہ جگاتا اگر معاملہ اتنا ضروری نہ ہوتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہیں نوکری سے نکالا جا چکا ہے۔''
(محمد عبداللہ، لاہور)

ڈاکٹر (مریض سے): ''یہ گولیاں دل کے لیے ہیں، یہ گردے کے لیے اور یہ جگر کے لیے۔''
مریض: ''یہ سب ٹھیک ہے مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہر گولی اپنے ٹھیک مقام پر جائے گی؟'' (سنبل آفاق، کوئٹہ)

مالک (نوکر سے): ''مجھے شام پانچ بجے جگا دینا۔''
نوکر: ''حضور پانچ بج چکے ہیں۔''
مالک: ''اے کم بخت! میری شکل کیا دیکھ رہے ہو، اب جگا بھی دے۔''

☆

حامد: ''یہ تمہارے سر پر پٹی کیوں بندھی ہوئی ہے؟''
خالد: ''وہ سامنے تمہیں سیڑھیاں نظر آ رہی ہیں؟''
حامد: ''ہاں!''
خالد: ''یہ مجھے نظر نہیں آئی تھیں۔'' ☆

ایک ماں اپنے بچے کو بے تحاشا دعائیں دے رہی تھی تو بچے نے معصومیت سے کہا: ''ماں اتنی دعائیں نہ دو کہ جنت سے بھی آگے نکل جاؤں۔''

☆

پہلا دوست: ''تمہارا بھائی کیا کر رہا ہے آج کل؟''
دوسرا دوست: ''میرے بھائی نے دُکان کھولی تھی۔''
پہلا دوست: ''کیسی چل رہی ہے؟''
دوسرا: ''معلوم نہیں۔''
پہلا: ''کیوں؟ بھائی سے ملاقات نہیں ہوتی کیا؟''
دوسرا: ''ہوتی ہے۔ وہ چھ ماہ کے لیے جیل میں ہے۔''
پہلا: ''حیرانی ہے وہ کیوں؟''
دوسرا: ''اس نے ہتھوڑے سے دُکان کھولی تھی۔'' ☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دجاج مندی

اجزاء:

ثابت چکن: ایک کلو — مکھن: دو اونس — تیل: 1/4 کپ — ہری الائچی: دس عدد
کالی الائچی: ایک عدد — دار چینی: دو ٹکڑے — ثابت کالی مرچ: ایک کھانے کا چمچ — لونگ: آٹھ یا دس عدد
تیز پتے: دو عدد — چاول: آدھا کلو — زعفران: آدھا چائے کا چمچ — پیلا رنگ: ایک چٹکی
پسی ہری الائچی: آدھا چائے کا چمچ — نمک: ایک کھانے کا چمچ — کٹی پیاز: ایک کپ — لیموں کا رس: دو کھانے کے چمچ
لیمن ڈرائیڈ: ایک عدد

ترکیب:

ایک پین میں 1/4 کپ تیل اور دو اونس مکھن گرم کر کے اس میں دس عدد ہری الائچی، ایک عدد کالی الائچی، دو ٹکڑے دار چینی، ایک کھانے کا چمچ ثابت کالی مرچ، آٹھ یا دس عدد لونگ، دو عدد تیز پتوں کو ایک کپ کٹی پیاز اور ایک کلو ثابت چکن کے ساتھ ڈال کر فرائی کریں، یہاں تک کہ چکن دونوں طرف سے گولڈن براؤن ہو جائے۔ اب اس میں چھ کپ پانی کو 1/4 چائے کا چمچ پسی ہری الائچی، 1/4 چائے کا چمچ زعفران، ایک عدد لیمن ڈرائیڈ اور ایک کھانے کا چمچ نمک کے ساتھ ڈال کر ڈھکیں اور اتنا پکائیں کہ چکن گل جائے اور ڈھائی کپ یخنی رہ جائے۔ پھر چکن کو یخنی سے نکال کر اس میں بھیگے ہوئے چاول شامل کریں اور ڈھک کر اتنا پکائیں کہ چاول تیار ہو جائیں۔ اب ایک چٹکی پیلا رنگ صرف چاولوں کے ایک طرف چھڑکیں اور دس منٹ دم پر چھوڑ دیں۔ اب انہیں اچھی طرح مکس کر لیں۔ پھر اسے پلیٹر پر نکالیں اور چاولوں پر چکن کو رکھ کر سرو کریں۔ ایک چھوٹے پیالے میں ایک کھانے کا چمچ مکھن کو باقی 1/4 چائے کا چمچ پسی ہری الائچی اور 1/4 چائے کا چمچ زعفران کو مکس کر کے گرم پانی میں بھگو دیں۔ پھر اس میں دو کھانے کے چمچ لیموں کا رس اچھی طرح مکس کر کے چکن کے اوپر برش کر دیں۔ اب اسے پہلے سے گرم اوون میں پندرہ منٹ کے لیے بیک کر لیں۔ مزیدار دجاج مندی تیار ہے۔

گلاب جامن

اجزاء:

خشک دودھ: ایک کپ — میدہ: ایک کھانے کا چمچ — کھویا: 250 گرام — انڈا: ایک عدد
چینی: دو کپ — بیکنگ پاؤڈر: ایک چائے کا چمچ — الائچی پاؤڈر: ایک چائے کا چمچ — گھی: حسب ضرورت

ترکیب:

سب سے پہلے کھوئے کو ہاتھوں سے اچھی طرح مسل لیں، پھر اس میں الائچی پاؤڈر شامل کر لیں۔ میدہ اور بیکنگ پاؤڈر ملا کر چھلنی سے چھان لیں اور پھر انہیں کھوئے میں شامل کر دیں۔ اب اس میں خشک دودھ بھی ملا لیں۔ ان سب چیزوں کو اچھی طرح یک جان کر لیں۔ انڈے کو خوب پھینٹ کر اس آمیزے کو اس سے گوندھ لیں اور پھر چھوٹی چھوٹی گولیاں بنا لیں۔ چینی میں دو کپ پانی ملا کر دوسرے چولہے پر شیرہ تیار ہونے کے لیے رکھ دیں۔ درمیانی آنچ پر گھی گرم کریں اور گولیاں تل لیں۔ گولیاں گہری براؤن ہو جائیں تو نکال کر شیرہ میں ڈالتی جائیں۔ تھوڑی دیر شیرے میں ڈوبی رہنے دیں، جب نرم ہو جائیں تو شیرے سے نکال لیں اور چاندی کے ورق لگا کر گرم گلاب جامن پیش کریں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

آلو

آلو(Potato) دُنیا میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والی سبزی ہے۔ آلو کا سائنسی نام"Solanum Tubeosum" ہے جب کہ اس کا خاندان"Solanaleae" ہے۔ آلو کا پودا جس حصے سے نکلتا ہے یہ درحقیقت تنا ہے۔ اسی حصے کو ہم کھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس زیرِ زمین تنے کو"Tuber" کہا جاتا

ہے۔ آلو پر جہاں جہاں سے نیا پودا پھوٹتا ہے اس مقام کو"Eye" کہتے ہیں۔ آلو کا پودا سدا بہار ہے اور اس میں لکڑی نہیں ہوتی۔ پودے کی اونچائی 24 انچ (60 سینٹی میٹر) تک ہوتی ہے۔ البتہ اس سے چھوٹے اور بڑے انواع کے پودے بھی دستیاب ہیں۔ آلو کا تنا جسے ہم پکا کر کھاتے ہیں ان میں سٹارچ بکثرت ہوتا ہے۔ آلو کی مختلف اقسام پر سفید، گلابی، نیلے، سرخ اور جامنی رنگ کے پھول نکلتے ہیں۔ بعدازاں ان پھولوں سے سبز رنگ کے پھل بنتے ہیں۔ ہر پھل میں 250 سے 300 تک بیج ہوتے ہیں۔ دُنیا بھر میں آلو کی 5000 اقسام موجود ہیں۔ آلو کے ہر سیل میں 48 کروموسومز (Chromosomes) پائے جاتے ہیں۔ آلو کی باضابطہ کاشت کا آغاز لگ بھگ 7000 برس قبل مسیح پیرو (Peru) اور بولیویا(Bolivia) کے علاقوں سے ہوا۔ چین، بھارت، روس، یوکرائن اور امریکہ آلو کی پیداوار والے ٹاپ پانچ ممالک ہیں۔ اسلامی ممالک میں بنگلہ دیش میں سب سے زیادہ آلو پیدا ہوتے ہیں۔ آلو کاربوہائیڈریٹس کا خزانہ ہے۔ اس میں وٹامن بی، سی، ای اور وٹامن K کے علاوہ کیلشیم، آئرن، میگنیشیم، فاسفورس، پوٹاشیم، سوڈیم اور زنک بھی پایا جاتا ہے۔ کھیتوں سے آلو کو سٹوریج میں لے جایا جاتا ہے جہاں انہیں 4°C پر سٹور کیا جاتا ہے۔ آلو کی مختلف اقسام سے سبزی، چپس، ادویات وغیرہ تیار کی جاتی ہیں۔ جنوبی امریکہ میں جامنی رنگ کے آلو بھی پائے جاتے ہیں جنہیں "Purple Potato" کہا جاتا ہے۔

افغانستان

پاکستان کے جنوب میں واقع افغانستان ایک مسلم ریاست ہے جس کا پورا نام افغانستان اسلامی جمہوریت ہے۔ اس کا رقبہ 652000 مربع کلو میٹر (252000 مربع میل) ہے۔ رقبہ کے اعتبار سے یہ دُنیا کا 41 واں بڑا ملک ہے۔ اس سرزمین سے سکندرِ اعظم

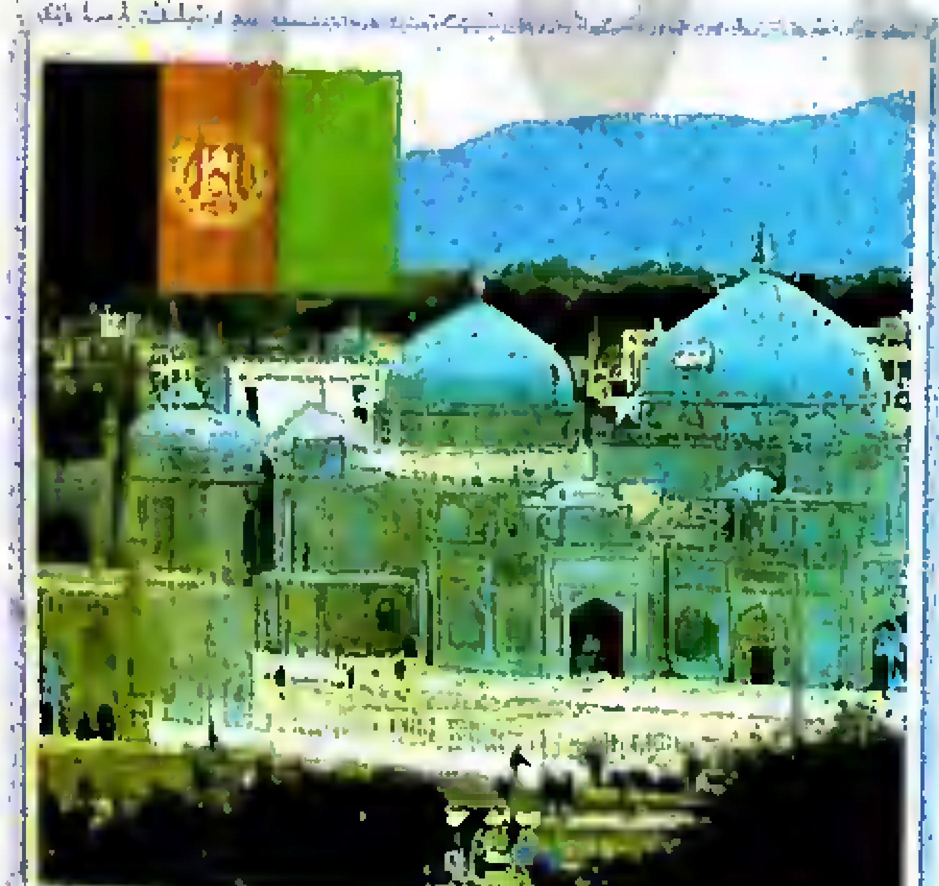

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کو بھی گزرنے کا موقع ملا۔ اس ملک کا دارالحکومت کابل(Kabul) ہے۔ اس ملک کے شہری افغان کہلواتے ہیں۔ اس ملک کی تاریخ دو ہزار برس قبل مسیح سے بھی زیادہ پرانی ہے۔ اسلام سے پہلے یہاں کے لوگ بدھ مت اور آتش پرست تھے۔ 642ء میں یہاں اسلام کی روشنی پہنچی۔ سکندرِ اعظم، محمود غزنوی، چنگیز خاں، امیر تیمور، احمد شاہ ابدالی، دوست محمد خاں، امیر حبیب اللہ خاں، امان اللہ خاں، نادر خاں، ظاہر شاہ وغیرہ اس ریاست کے بادشاہ رہے۔ اس ریاست میں زیادہ تر پہاڑی علاقے ہیں جو سلسلہ کوہ ہندوکش سے تعلق رکھتے ہیں۔ افغانستان کے 34 صوبے ہیں۔ افغانستان نے 19 اگست 1919ء کو برطانیہ سے آزادی حاصل کی۔ ملک کی کرنسی کا نام افغانی(AFN) ہے۔

سردار عبدالرب نشتر

تحریکِ پاکستان کے اہم رکن سردار عبدالرب نشتر 2 اگست 1949ء سے 24 نومبر 1951ء تک گورنر پنجاب رہے۔ آپ 13 جون 1899ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل ایل بی اعزاز کے ساتھ کیا اور سیاست میں حصہ لیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے

پلیٹ فارم سے پاکستان کی آزادی کے لیے کام کیا۔ آپ انڈین نیشنل کانگریس کے رکن رہے۔ 1937ء سے 1945ء تک سرحد قانون ساز اسمبلی کے رکن بنے۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ وزیر برائے کیبنٹ میں رہے۔ لیاقت علی خاں کے قتل ہو جانے کے بعد جن لوگوں کو وزیراعظم بنانے کا فیصلہ ہوا، ان میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔ آپ کا 14 فروری 1958ء کو کراچی میں انتقال ہو گیا۔ آپ کی یاد میں نشتر میڈیکل کالج، نشتر ہسپتال ملتان، نشتر روڈ، نشتر پارک وغیرہ ملک کے مختلف حصوں میں بنائے گئے ہیں۔ محکمہ ڈاک نے آپ کی خدمات کے اعتراف میں ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا۔

کوئلہ

کوئلہ یا "Coal" کا مطلب ہے "Fossilized Carbon" کیوں کہ یہ زمین تلے پایا جاتا ہے۔ یہ وہ درخت ہیں جو لاکھوں سال پہلے زمین میں دفن ہو گئے تھے۔ کوئلے کا اہم عنصر کاربن ہے۔ یہ کالے اور بھورے رنگ میں ملتا ہے اور جلانے کے کام آتا ہے۔ یہ جن چٹانوں سے ملتا ہے انہیں "Sedimentary Rocks" کہتے ہیں۔ کوئلے میں کاربن کے علاوہ ہائیڈروجن، سلفر،

آکسیجن اور نائٹروجن بھی ہوتی ہے۔ کوئلہ سے بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ کوئلہ جس تکنیک سے نکالا جاتا ہے اسے "Coal Mining" کہتے ہیں۔ بھورے کوئلے کو "Lignite" کہتے ہیں، یہ ادنیٰ کوالٹی کا ہوتا ہے۔ کالے کوئلے کو "Anthracite" کہتے ہیں، یہ اعلیٰ درجے کا کوئلہ ہے۔ دُنیا میں کوئلے کے بڑے ذخائر والے ممالک میں امریکہ، روس، چین، آسٹریلیا، بھارت، جرمنی اور یوکرائن شامل ہیں۔ کوئلے کے جلنے سے ماحولیاتی آلودگی پیدا ہوتی ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کھیل دس منٹ کا

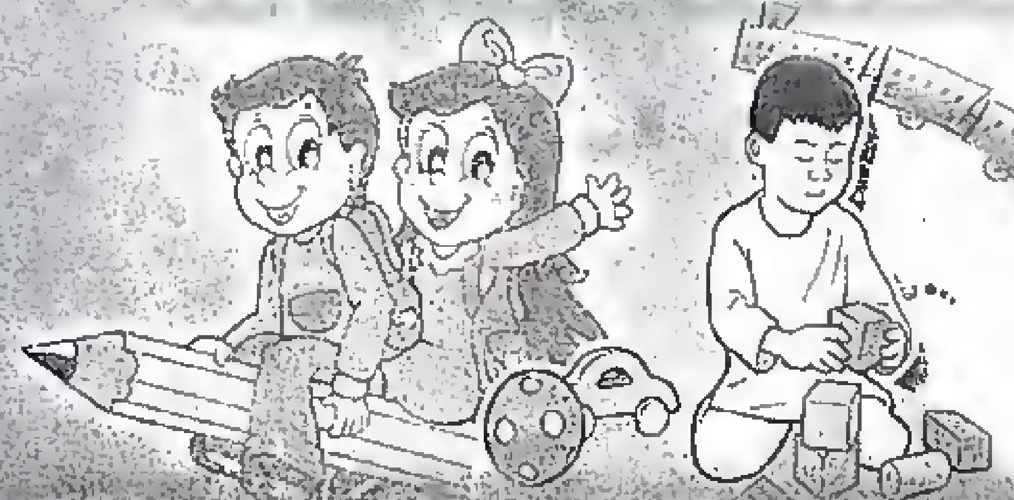

ع	ذ	ء	م	ب	ا	ل	گ	ث	چ
پ	ش	ج	ط	خ	ص	ی	ژ	س	ن
ر	غ	ن	ر	گ	س	ث	ک	و	ب
ن	گ	س	ع	ہ	ن	م	چ	ے	ی
د	ض	ب	ء	ف	غ	ڑ	ص	ز	ل
ہ	چ	ا	ق	م	و	ت	ی	ا	ی
ی	ا	د	پ	غ	پ	ش	خ	ل	ٹ
ن	غ	ل	ح	ک	ی	ا	ر	ی	ف
ا	ٹ	خ	ے	پ	م	ن	ب	ش	ل
پ	ڈ	ف	س	ظ	ق	ض	ہ	ڈ	ک

آپ نے حروف ملا کر دس نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اُوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن الفاظ کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

نرگس، پانی، چنبیلی، گلاب، چمن، شبنم، موتیا، بادل، کیاری، پرندہ

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

زبیدہ سلطانہ

گڑ کھانا، گلگلوں سے پرہیز

ایک دن ماریہ گلگلے تل رہی تھی کہ اس کا شوہر حسبِ معمول دوپہر کا کھانا کھانے گھر آیا اور پوچھنے لگا: ''کیا بنایا جا رہا ہے؟''

''برسات ہو رہی تھی، بچوں نے ضد کی کہ پکوان بنائیں۔ ان کی فرمائش پر یہ گلگلے تل رہی ہوں، لو تم بھی گرم گرم کھاؤ۔'' ماریہ نے جواب دیا اور پلیٹ میں چند گلگلے ڈال کر اکبر کو دینے لگی۔

''واہ! مجھے گلگلے کھلاتی ہو؟ تمہیں پتا نہیں کہ میں شوگر کا مریض ہوں، ایسی چیزیں مجھے منع ہیں۔'' اکبر نے قدرے خفگی سے کہا تو ماریہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''کیوں! اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' اکبر اور بھی بگڑ کر بولا۔ ''مجھے تمہاری اس پرہیز والی بات پر ہنسی آئی کہ رات کھانے کے بعد گڑ کی ڈلی تو روز کھاتے ہو اور گلگلوں سے پرہیز کرتے ہو۔'' ماریہ نے اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔

اکبر کچھ شرمندہ ہو کر بولا: ''گڑ کی اور بات ہے، ذرا سا ٹکڑا ہاضمے کے لیے کھا لیتا ہوں۔''

شام کو اکبر کی چھوٹی بہن نیاز کی کھیر لے کر آئی اور ماریہ سے کہنے لگی: ''بھابی میرے ساتھ چلو، میں نیچے ٹھہروں گی، تم بڑی بھابی کو کھیر دے آنا۔ صبح ان کے ہاں سے بھی میلاد النبی ﷺ کی نیاز آئی تھی۔'' یہ سن کر ماریہ ہنسنے لگی۔ ''تمہاری بھی وہی اپنے بھائی والی مثال ہے کہ گڑ کھانا مگر گلگلوں سے پرہیز کرنا۔'' یہ سن کر اس کی نند حیران ہو کر بولی: ''یہ کیا بات ہوئی؟''

''بات یہ ہوئی کہ ایک طرف تم لوگوں نے آپس میں میل جول بند کر رکھا ہے مگر لین دین بدستور جاری ہے۔ جس طرح تمہارے بھیا گڑ تو کھا لیتے ہیں مگر گلگلے نہیں کھا رہے تھے کہ شوگر کا مریض ہوں، میٹھا نہیں کھا سکتا۔'' ماریہ نے بتایا تو وہ بھی ہنسنے لگی۔

''واہ بھابی! آپ نے بھی درست ضرب المثل استعمال کی، واقعی ایسی حالت میں کہ جب کوئی گریز بھی کرے اور رغبت بھی رکھے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ گڑ کھانا اور گلگلوں سے پرہیز۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

بنٹی کا فرار

محمد ندیم اختر

بنٹی اور جیکی منصوبے کے مطابق جنگل سے نکل کر گاجروں کے کھیت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ گاجروں کے کھیت کے نزدیک کوئی بھی نہیں تھا۔ جیکی نے ایک جھاڑی کے پیچھے چھپتے ہوئے بنٹی سے کہا کہ پہلے اردگرد دیکھ لیں۔ کہیں کھیت کا مالک آس پاس نظر نہ آ جائے۔ جب انہیں تسلی ہو گئی کہ کھیت کا مالک یا کوئی ایسا ذی روح نہیں جو انہیں دیکھ سکے، وہ بلاخوف و خطر گاجروں کے کھیت میں داخل ہو گئے۔ بنٹی پہلی بار اپنے گھر سے اتنی دُور آیا تھا، وہ بھی چوری کی نیت سے...... اس لیے اسے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ اگر کھیت کا مالک آن پہنچا اور وہ پکڑے گئے تو ان کا کیا ہو گا لیکن کھیت میں گاجروں کی بھینی بھینی خوشبو نے ان کا خوف ختم کر دیا تھا۔ وہ سبز پتوں کے نیچے زمین میں دھنسی گاجروں کو اپنے پنجوں سے نکال کر کھا رہے تھے۔ گاجریں کھاتے کھاتے بنٹی سوچ رہا تھا کہ کچھ گاجریں وہ اپنے ساتھ بھی لے جائے گا تاکہ اس کے ماں باپ اور بھائی بھی یہ گاجریں کھا سکیں۔ ابھی اس نے تھوڑی سی گاجریں ہی کھائی ہوں گی کہ اسے کھٹاک کی آواز سنائی دی۔ اس سے پہلے کہ بنٹی سنبھلتا اس کے پاؤں میں درد کی ٹیسیں اُٹھیں۔ درد اتنا زیادہ تھا کہ اس کی چیخ سن کر جیکی نے چھلانگ لگائی اور کھیت سے نکل کر جنگل کی جانب بھاگ گیا۔ بنٹی کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایک لوہے کی شکنجے میں جکڑا گیا ہے۔ یہ لوہے کا شکنجہ کھیت کے مالک نے گیدڑوں اور اس جیسے دیگر جانوروں کو پھانسنے کے لیے لگایا تھا۔ آج معصوم بنٹی اس کا شکار ہو کر کھیت کا قیدی بن گیا تھا۔ بنٹی زور لگا کر اپنا پاؤں اس شکنجے سے چھڑانا چاہتا تھا۔ وہ جیسے ہی زور لگاتا اس کے پاؤں میں درد بڑھتا جاتا۔ جب کچھ نہ بن پایا تو وہ بے سدھ ہو کر وہیں لیٹ گیا اور آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ وہ دل ہی دل میں جیکی کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ جیکی مشکل وقت میں مدد کرنے کی بجائے اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔

بنٹی ایک خوبصورت سا خرگوش تھا۔ اس نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان اُچھلتے کودتے پایا تھا۔ بنٹی تین بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ ان کے گھر کے بالکل ساتھ بہت سے گھر بنے ہوئے تھے۔ ان گھروں میں بالکل اس جیسے سفید بالوں، چھوٹی سی دُم اور چمکتی آنکھوں والے خرگوش رہتے تھے۔ ان کا گھر جھاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹی سی غار میں تھا۔ وہ بھوک لگنے پر اپنے گھر سے باہر نکلتا اور جھاڑیوں کی اوٹ میں جھانکتا ہوا کھلے میدان میں آ جاتا جہاں اس کے قد سے کئی گنا بڑے درخت تھے۔ درخت کی اوٹ سے ہمیشہ اسے خطرہ محسوس ہوا تھا کہ کوئی نوکیلے پنجوں والا جانور اسے دبوچ لے گا اور مار ڈالے گا۔ بنٹی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے جب ہوش سنبھالا تو اس کے ماں باپ نے اسے بتا دیا تھا کہ گھر سے باہر کون کون سے خطرے منڈلا رہے ہوتے ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ ان کا شمار معصوم جانوروں میں ہوتا ہے۔ باہر کی دُنیا بڑی ظالم ہے۔ گھر سے باہر بہادر اور خوفناک جانور رہتے ہیں جو موقع ملتے ہی نوکیلا پنجہ مار کر پہلے زخمی کر دیتے ہیں پھر اپنے نوکیلے دانتوں سے ہم معصوم جانوروں کی بوٹی بوٹی کر دیتے ہیں۔ پہلے پہل تو وہ اکیلا تھا لیکن اب اس کے بہت سے دوست بن چکے تھے۔ وہ ایک جھنڈ کی شکل میں اپنی بھوک مٹایا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے گھر سے تیسرے گھر میں رہنے والے اس کے ہم عمر جیکی نے بتایا کہ اگر لذیذ کھانا کھانا چاہتے ہو تو ہم مل کر ایک ایڈونچر کرتے ہیں۔ ہمارے جنگل کے پار گاجروں کے کھیت ہیں۔ ان کھیتوں میں میٹھی اور سرخ رنگ کی گاجریں ملتی ہیں۔ جیکی کو اس کے بڑے بھائی نے بتایا تھا کہ وہاں چھپ کر جانا پڑتا ہے ورنہ اس کھیت کا مالک پکڑ لیتا ہے۔ اگر کوئی معصوم خرگوش پکڑا جائے تو پھر سالہا سال اس کا پتا نہیں چلتا ہے۔ بنٹی نے جب گاجروں کا سنا تو اس کے منہ میں بھی پانی آ گیا کیوں کہ ایک دن اس کے ابو ایک گاجر لے کر آئے تھے۔ اس دن ان تینوں بھائیوں نے مل کر خوب دعوت اُڑائی تھی۔ وہ اتنی لذیذ تھی کہ بنٹی اکثر اس لذیذ اور میٹھی گاجر کے بارے میں سوچا کرتا تھا۔ بنٹی نے میٹھی اور سرخ گاجریں کھانے کے لیے جیکی کے ساتھ منصوبہ بنایا۔ پہلے منصوبے کے دوران ہی وہ کھیت میں لگائے گئے لوہے کے شکنجے میں پھنس چکا تھا۔

کافی دیر گزر چکی تھی لیکن گاجروں کے کھیت میں اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ سورج اپنی پوری شدت سے چمک رہا تھا۔ گرمی کی وجہ سے وہ بالکل بے سدھ ہو چکا تھا۔ بنٹی کو اب رونا آ رہا تھا کہ اس کے امی ابو کتنے پریشان ہوں گے۔ وہ اپنی غلطی پر بھی پچھتا رہا تھا کہ وہ جیکی کے کہنے پر کیوں اس کھیت میں آیا۔ اسی دوران اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ''اچھا تو چور پکڑا گیا۔'' یہ ایک دو پیروں والا جانور تھا جو شکنجے کے پاس کھڑا بنٹی کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ پھر اسے فوراً یاد آیا کہ جو ایک انسان کا حلیہ اس کے ماں باپ نے بتایا تھا بالکل اسی حلیے کا ہے۔ یقیناً یہ انسان ہی ہے۔ اسی لمحے اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ ہی انسان اس کھیت کا مالک ہے۔ بنٹی نے کھیت کے مالک کو دیکھ کر اپنے آپ کو شکنجے سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن ایک بار پھر پاؤں میں درد کی ٹیس کی وجہ سے چیخنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ کھیت کا مالک اس کی چیخ پکار سن کر اس پر رحم کرے گا۔ کھیت کے مالک نے اس پر اتنا سا رحم کیا کہ اپنے نرم ہاتھوں سے اس کی کمر کو سہلا کر دوسرے ہاتھ سے اس کا پاؤں اس شکنجے سے آزاد کرا دیا۔ اس سے پہلے کہ بنٹی آزاد ہوتے ہی بھاگتا، بنٹی کو محسوس ہوا کہ وہ ان نرم ہاتھوں کے مضبوط شکنجے میں ایک بار پھر جکڑا جا چکا ہے۔

☆......☆

کھیت کا مالک بنٹی کو اپنے گھر لے آیا۔ اس گھر کی بڑی بڑی دیواریں دیکھ کر بنٹی پہلے تو حیران ہوا لیکن پھر جب مالک نے زمین پر اسے آزاد کیا تو بنٹی کو بالکل اپنے گھر جیسا ایک گھر نظر آیا۔ وہ زخمی ٹانگ کے ساتھ لنگڑاتا ہوا بھاگ کر اس چھوٹی سی غار میں گھس گیا۔ غار میں گھستے ہی اس کے لیے حیرانگی کی بات یہ تھی کہ وہاں اس جیسے تین معصوم خرگوش بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے بنٹی کو اپنے درمیان پا کر اسے خوش آمدید کہا۔ بنٹی ان کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران ایک خرگوش بولا: ''پیارے مہمان پریشان نہ ہوں، ہم بھی تمہاری طرح اپنے گھروں سے گاجریں کھانے نکلے تھے، پھر اس کھیت کے مالک کے ہتھے چڑھ گئے۔ اب کئی ماہ سے اس کھیت کے مالک کی قید میں ہیں۔'' پھر جب انہوں نے اپنے گھروں کا پتا بتایا تو بنٹی خوشی سے ان کے گلے لگ گیا کیوں کہ وہ سب اسی کی بستی کے رہنے والے تھے۔ بنٹی نے اپنے امی ابو سے سن رکھا تھا کہ ان کی بستی کے کن کن گھروں سے خرگوش بھوک مٹانے نکلے اور پھر واپس نہ آئے۔ ایک طرف تو بنٹی خوش تھا کہ اسے اس کی بستی کے خرگوش مل گئے، دوسری طرف وہ پریشان تھا کہ کیا اب وہ پوری زندگی اس کھیت کے مالک کی قید میں گزار دے گا، کیا وہ اپنے ماں باپ اور بھائیوں سے نہیں مل پائے گا؟ اس کو پریشان دیکھ کر ایک خرگوش بولا کہ یہاں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس گھر کے لوگ بہت اچھے ہیں۔ یہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ اس گھر میں تازہ گھاس، تازہ پانی ملتا ہے۔ اس گھر میں ایک بڑی معصوم سی بچی ہے جسے یہ لوگ عبیرہ کہہ کر پکارتے ہیں، وہ ہم سے بہت پیار کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ماموں زاد فیضان اور ریحان بھی ہم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ابھی تو رات ہو گئی ہے، صبح جب ہم اپنے گھر سے نکل کر صحن میں جائیں گے تو دیکھنا ان کا پیار دیکھ کر تمہیں اپنا گھر یاد نہیں آئے گا۔

رات بیت گئی تھی۔ خرگوش اپنے نئے ساتھی کو ساتھ لے کر باہر صحن میں نکلے تو ان کے نکلنے سے پہلے ہی تین بچے جیسے انہی کے انتظار میں تھے۔ ایک معصوم خوبصورت سی بچی غالباً یہ عبیرہ تھی، اس

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے بھاگ کر نئے مہمان بنٹی کو اپنے ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ عبیرہ کے ہاتھ بہت نرم تھے۔ فیضان اور ریحان بنٹی کی کمر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ عبیرہ تو بنٹی کو ہاتھوں میں اُٹھائے بھاگتی ہوئی اپنی امی جان کے پاس گئی۔ ''امی دیکھیں، یہ نیا خرگوش کتنا پیارا ہے۔ امی اس کی آنکھیں دیکھیں، کتنی پیاری ہیں۔'' ابو جو ساتھ ہی چارپائی پر بیٹھے تھے، بولے۔ ''عبیرہ بیٹی! جاؤ اس کو پانی پلاؤ، وہ جو رات کو میں گھاس لایا تھا وہ گھاس بھی اس ننھے مہمان کو کھلاؤ۔'' بنٹی عبیرہ کی مہمان نوازی دیکھ کر خوش ہو گیا کہ اس نئے گھر جسے وہ قید خانہ سمجھ رہا تھا وہاں تو اتنے پیارے پیارے بچے رہتے ہیں جو ظلم نہیں کرتے، بلکہ بہت پیار کرتے ہیں۔ اس طرح شب و روز گزرنے لگے۔ دن تو جیسے تیسے گزر ہی جاتا تھا لیکن جیسے ہی رات ہوتی تو بنٹی کو اپنا گھر یاد آنے لگتا۔ پھر وہ گاجروں کے کھیت کے بارے میں سوچ کر پچھتاتا کہ اس دن وہ بغیر بتائے اپنے گھر سے چوری کرنے نکلا تھا۔ چوری کی سزا تو ملنی ہی تھی۔ ایک دن بنٹی نے اپنے دوستوں سے کہا۔ ''کیا کھیت کا مالک اپنے گھر میں گاجریں نہیں لاتا۔ میرا کئی دنوں سے بہت جی کر رہا ہے کہ میں میٹھی میٹھی اور سرخ گاجریں کھاؤں۔'' ایک خرگوش بولا: ''مالک روز نہیں تو ایک دو دن بعد گاجریں لاتا ہے۔ جہاں وہ آگ جلاتے ہیں اسی کمرے میں گاجریں پڑی ہوتی ہیں۔'' گاجروں کا سن کر بنٹی کے منہ میں ایک بار پھر پانی آ گیا۔ ایک دن اس نے منصوبہ بنایا کہ اس رات وہ اپنے غار سے نکل کر گاجروں تک پہنچے گا تاکہ جن گاجروں کی وجہ سے وہ قید ہوا، اب کم از کم جی بھر کر گاجریں تو کھا سکے۔ اس رات اس نے اپنے منصوبے پر عمل کیا اور چوری چوری گاجروں تک پہنچ ہی گیا۔ بنٹی نے جی بھر کر وہ گاجریں کھائیں۔ وہ جس گاجر کو اُٹھاتا اسے آدھا کھا کر باقی وہیں پھینک دیتا۔ اس نے اس رات پیٹ بھر کر گاجریں کھائیں اور دبے پاؤں بھاگتا ہوا اپنے غار میں آ گیا۔ حسب معمول صبح جب وہ اپنے غار سے باہر نکلے، تو عبیرہ کی امی اونچی آواز میں کہہ رہی تھی کہ رات کسی بلی یا کسی اور جانور نے گاجروں کا ستیاناس کر دیا ہے۔ بنٹی نے اپنی شرارتی آنکھوں سے اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا اور پھر گھاس کھانے لگا جیسے اسے پتا ہی نہ ہو کہ رات کیا ہوا تھا۔ پھر تو اس کا معمول بن گیا، جب جب اس کا جی چاہتا وہ رات کے اندھیرے میں گھر میں پڑی گاجریں ڈھونڈ نکالتا اور خوب جی بھر کر کھاتا تھا۔ گھر والوں کے لیے بھی اب پریشانی بن گئی تھی کہ ان کی گاجریں رات کو کون کھا جاتا ہے۔ کبھی بھی گھر والوں کا دھیان بنٹی یا باقی خرگوشوں کی جانب نہیں گیا تھا۔

وہ بھی ایک شام تھی جب بنٹی نے کھیت کے مالک کو گاجروں کا ڈھیر گھر میں لاتے دیکھ لیا تھا۔ بنٹی اپنے منصوبے کے مطابق رات کے اندھیرے میں اپنے غار سے نکلا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا اسی جگہ پہنچا جہاں اس نے شام کو عبیرہ کی امی کو گاجریں رکھتے دیکھا تھا۔ پہلے تو اس نے جی بھر کر گاجریں کھائیں۔ وہ اس دن ندیدوں کی طرح گاجریں کھا رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک ہی لقمے میں ساری گاجریں ہڑپ کر جائے۔ اسی ندیدے پن میں اس نے ایک بڑی گاجر ہڑپ کرنا چاہی لیکن وہ گاجر گلے میں پھنس گئی۔

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

WWW.PAKSOCIETY.COM

بڑے کہتے ہیں کہ 'ٹھنڈی کر کے کھانے سے منہ نہیں جلتا' بنٹی نے شاید بڑوں کے قول نہیں سن رکھے تھے اسی لیے وہ ندیدے پن میں مارا گیا۔ جیسے ہی گاجر اس کے گلے میں پھنسی تو اسے لگا کہ اس کا سانس وہیں رُک گیا ہے۔ گلے میں پھنسی گاجر نے اس کا بُرا حال کر دیا۔ وہ ہلکا ہلکا سانس لے رہا تھا۔ گلے میں درد کے احساس نے اسے بے سدھ کر دیا۔ وہ چاروں شانے چت زمین پر لیٹ گیا۔ جانے کب صبح ہوئی جب عبیرہ کی امی کی نظر چاروں شانے چت بنٹی پر پڑی۔ ''ہائے...... ہائے...... اس بے چارے معصوم کو کیا ہوا جو یوں پڑا ہے۔'' امی کا شور سن کر عبیرہ کے ابو اور عبیرہ کی آنکھ بھی کھل گئی۔ بنٹی کی سانس ابھی باقی تھی۔ اب وہ پچھتا رہا تھا کہ اگر انہیں پتا چل گیا کہ ان کی رات کو گاجریں کھانے والا چور میں ہی ہوں تو یہ مجھے کیا سزا دیں گے۔ اس نے آدھ کھلی آنکھ سے عبیرہ کی جانب دیکھا۔ عبیرہ بنٹی کو یوں بے سدھ پڑا دیکھ کر پریشان نظر آرہی تھی۔ جب امی نے بنٹی کے منہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ عبیرہ کے ابو ذرا دیکھیں اس کے منہ میں کوئی چیز پھنسی ہوئی لگ رہی ہے۔ بنٹی تو پہلے ہی پریشان تھا، یہ سن کر کہ اب تو وہ ثبوت کے ساتھ پکڑا جائے گا۔ بنٹی کے اوسان خطا ہو گئے۔ سزا سے بچنے کے لیے بنٹی جھٹ سے ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ عبیرہ کے ابو نے جب اس کے منہ میں اپنی انگلی ڈال کر گاجر نکالی تو بنٹی کی جان میں جان آئی۔ ''اچھا تو یہ معصوم خرگوش ہی تھا جو رات کو ہماری گاجریں کھا جاتا تھا۔ آج تو گاجر چور پکڑا گیا۔'' ''ہائے...... ہائے...... آپ کو چور پکڑنے کی پڑی ہے۔ بے چارے کو دیکھیں تو سہی زندہ بھی ہے یا مر گیا ہے۔'' بنٹی مرنے کی اداکاری کیے لیٹا رہا۔ عبیرہ کے ابو نے اسے ہلایا لیکن بنٹی تو جیسے مر چکا ہو۔ پھر عبیرہ نے پانی کا چھڑکاؤ کیا لیکن مجال کہ بنٹی ہلتا۔ وہ تو مرنے کی اداکاری کر رہا تھا۔ اسی دوران عبیرہ کے ابو نے کہا کہ لگتا ہے گلے میں گاجر پھنسنے سے بے چارے کا سانس رُک گیا اور بے مر گیا۔ بنٹی کے مرنے کا سن کر عبیرہ نے رونا شروع کر دیا۔ عبیرہ نے بنٹی کو اپنے نرم نرم ہاتھوں میں پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا۔ عبیرہ کو روتے دیکھ کر بنٹی نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ وہ مرنے کی اداکاری چھوڑ دے۔ روتے روتے عبیرہ اسے اٹھائے گھر سے باہر نکل گئی کہ گلی کی نکڑ پر ماموں کے گھر میں فیضان اور ریحان کو بنٹی کا آخری دیدار کرا دے۔ جیسے ہی عبیرہ نے دروازے سے باہر قدم رکھا، بنٹی اپنے فرار کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا آخری فیصلہ کر چکا تھا۔ بنٹی نے عبیرہ کے ہاتھوں سے اپنے آپ کو چھڑایا اور چھلانگیں لگاتا ہوا گلی میں دُور تک بھاگتا چلا گیا۔ عبیرہ حیرانگی سے اسے دیکھتی رہی۔ گلی سے نکل کر سامنے کھیت تھے۔ ان کھیتوں کے آخر پر وہی کھیت تھا جہاں آخری بار وہ چوری کرتے ہوا پکڑا گیا۔ بنٹی فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ بھاگتے بھاگتے اس کا جی چاہا کہ ایک بار وہ اسی کھیت میں رُک کر تھوڑی سی گاجریں کھا لے لیکن پھر لوہے کا شکنجہ یاد آیا تو وہ بغیر رُکے جنگل میں داخل ہو گیا جہاں جنگل کے درمیان میں بنٹی کا گھر تھا اور اس گھر میں بنٹی کے امی ابو اور بھائی رہتے تھے۔

پیارے بچو! پہلی بات یہ ہے کہ چوری کرنا بُری بات ہے۔ دوسری بات ندیدہ پن اکثر اوقات جہاں شرمندگی کا باعث بنتا ہے، وہاں اکثر اوقات کسی بڑی مشکل میں بھی ڈال سکتا ہے۔ آپ کو بنٹی پیارا لگتا ہے کیوں کہ اس کی شرارتیں آپ کو اچھی لگتی ہیں لیکن کبھی بھی بنٹی کی طرح چوری نہیں کرنا بلکہ جس چیز کی ضرورت ہو اپنے امی ابو سے مانگ کر، بے شک ضد کر کے لے لیجیے گا ورنہ بنٹی کی طرح کسی بڑی مصیبت میں بھی پھنس سکتے ہیں۔

☆☆☆

(بقیہ: اگست 1947ء، چند تلخ و شیریں یادیں)

سوہن لال کالج میں ہم صرف چند ماہ رہ سکے۔ ہمارا قیام ایک دو منزلہ کوارٹر کی اوپر کی منزل میں تھا جو لیک روڈ پر کھلنے والے شمالی گیٹ سے متصل تھا۔

اس زمانے کا ایک یادگار واقعہ یہ ہے کہ سوہن لال کالج کے سامنے واقع یونیورسٹی گراؤنڈ میں 30 اکتوبر 1947ء کو قائداعظمؒ کی تقریر ہوئی۔ حاضری بہت زور کی تھی۔ پورا گراؤنڈ بھرا ہوا تھا۔ سڑک پر گاڑیوں کی قطاریں تھیں۔ اس جلسے کے لیے ہمارا کوارٹر تو گویا خاص طور پر وزیٹر گیلری ثابت ہوا۔ پورا جلسہ آنکھوں کے سامنے تھا اور قائداعظم اسٹیج سے تقریر کر رہے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر آواز پہنچا رہے تھے۔ والد صاحب کے ساتھ ہم نے بھی جلسے میں شرکت کی۔ ہماری خوش قسمتی کہ ہم چلتے چلتے قائداعظم کے اسٹیج تک پہنچ گئے تھے۔ یہ اپنی زندگی کا ایک ناقابلِ فراموش واقع ہے۔ بعد میں ہم جب بھی والد صاحب سے پوچھتے کہ قائداعظمؒ نے تقریر میں کیا فرمایا تھا تو وہ جواباً کہا کرتے:

ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کے
اس ملک کو رکھنا میرے بچو سنبھال کے

......☆......

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

کھوج لگایئے!

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

علی ایک دولت مند باپ کا بیٹا تھا۔ وہ ایف اے کا اسٹوڈنٹ تھا۔ اس کے پاس ایک قیمتی موٹر بائیک تھی جس پر وہ کالج جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ کالج جارہا تھا کہ راستے میں اس کی موٹر بائیک میں کچھ خرابی ہوئی۔ اس نے موٹر بائیک کو ایک طرف کھڑا کر دیا اور اسے چیک کرنے لگا۔ وہ ابھی موٹر بائیک پر جھکا ہی تھا کہ اچانک ایک طرف سے دو نقاب پوش آئے اور انہوں نے جلدی سے علی کو قابو کر لیا۔ انہوں نے علی کی ناک پر رومال رکھ کر اسے گاڑی میں ڈالا اور لے گئے۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہوا۔ سڑک بھی سنسان تھی لہٰذا ان اغوا کاروں نے یہ سب بہت آسانی سے کر لیا۔ وہ علی کو ایک ویران جگہ پر لے گئے اور ایک کمرے میں بند کر دیا۔ کمرہ کاٹھ کباڑ سے بھرا پڑا تھا۔ اغوا کاروں نے دروازے کو تالا لگا دیا اور چابی دروازے میں ہی لگی رہنے دی۔ علی بہت پریشان ہوا اور باہر نکلنے کی ترکیب سوچنے لگا۔ کمرے میں اسے ردی کاغذوں کا پلندہ، اخبار اور ایک لوہے کی تار مل گئی۔ علی نے ان چیزوں کی مدد سے دروازے میں لگی چابی حاصل کر لی۔

پیارے بچو! کھوج لگایئے کہ علی نے کس طرح یہ کام سرانجام دیا؟

جولائی میں شائع ہونے والے ''کھوج لگایئے'' کا صحیح جواب یہ ہے:

مسز وحید نابینا عورت ہیں، وہ اُبھرے ہوئے حرفوں (بریل) کو ہاتھ کی انگلیوں سے چھو کر کتاب پڑھتی ہیں جس میں روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جولائی 2015ء کے کھوج لگایئے میں قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں:

1- اسد اللہ ناصر، بہاول پور	2- مسز محمد اکرم صدیقی، میانوالی
3- قریشہ فاطمہ فاروقی، رحیم یار خان	4- محمد جنید ندیم، سرگودھا
5- فارین شہزاد، پشاور	

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

درج ذیل دیئے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ حضرت عبدالمطلب کے زمانے میں کس بادشاہ نے کعبہ کو ڈھانے کا قصد کیا؟

i۔ شاہِ نجاشی ii۔ ابرہہ iii۔ شاہِ کسریٰ

2۔ قائداعظم کب نئی مملکت میں تشریف لائے تھے؟

i۔ 14 اگست 1947ء ii۔ 17 اگست 1947ء iii۔ 25 جولائی 1947ء

3۔ قیامِ پاکستان کے بعد کس مسلم لیگی نے اپنی ٹرانسپورٹ پاکستان کے لیے وقف کر دی؟

i۔ سر آدم جی ii۔ جلال بابا iii۔ نواب صدیق علی خان

4۔ چوہدری رحمت علی کو لندن کے کس کالج کی سیڑھیوں کے قریب دفن کیا گیا؟

i۔ لنکن ان کالج ii۔ عمانوئیل کالج iii۔ آکسفورڈ کالج

5۔ "مسلمان جو پاکستان کا خواب دیکھ رہے ہیں، وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔" یہ الفاظ کس کے ہیں؟

i۔ دادا بھائی نوروجی ii۔ ولبھ بھائی پٹیل iii۔ گاندھی

6۔ پاکستان میں پہلی مرتبہ قومی ترانہ کس کی آواز میں نشر ہوا؟

i۔ حفیظ جالندھری ii۔ امانت علی خاں iii۔ بڑے غلام علی

7۔ یہ الفاظ کس کے ہیں۔ "اردو زبان ہی پاکستان کی بنیاد کا باعث ہوئی ہے؟"

i۔ آشفتہ ii۔ مولوی عبدالحق iii۔ علامہ اقبال

8۔ کس مسلم لیگی رہنما نے محمد علی جناح کے لیے قائداعظم زندہ باد کا نعرہ لگایا؟

i۔ لیاقت علی خان ii۔ میاں فیروز الدین iii۔ مولوی فضل الحق

9۔ دُنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

....

اقبال کے اس شعر کا دوسرا مصرع بتایئے۔

10۔ پاکستان کا نام کس نے تجویز کیا تھا؟

i۔ چوہدری رحمت علی ii۔ مولانا محمد علی جوہر iii۔ علامہ اقبال

جوابات علمی آزمائش جولائی 2015ء

1۔ مسجد قبا 2۔ ابن الہیثم 3۔ گال 4۔ برازیل 5۔ گل یاسمین 6۔ ادر تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر 7۔ فرشتوں کی دُنیا 8۔ 1000 ملی گرام 9۔ مونگ پھلی 10۔ گولف

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

☆ ضحیٰ تجمل، لاہور (150 روپے کی کتب)

☆ ارفعہ جواد، اسلام آباد (100 روپے کی کتب)

☆ حائقہ کامران، راول پنڈی (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی:

ضرغامہ اصغر، لاہور۔ سید محمد عادل ہاشمی، لاہور۔ فتح محمد شارق، خوشاب۔ مریم نایاب، خوشاب۔ مریم سکندر، سرگودھا۔ عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔ مطیع الرحمٰن، لاہور۔ عبدالباری، مانسہرہ۔ سوید اقبال، فیصل آباد۔ ضحیٰ مریم وڑائچ، سرگودھا۔ محمد معید خان، پشاور۔ محمد عبداللہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ وجیہا اعزاز اللہ، پشاور۔ اقراء شمس، ڈیرہ اسماعیل خان۔ محمد عبداللہ انور، ساہی وال۔ مریم رضوان، راول پنڈی۔ حرا ارشد، سارہ ارشد، سرگودھا۔ طوبیٰ جاوید انصاری، بہاول نگر۔ محمد ارحم عمران، ملتان۔ نور الہدیٰ نعمان، ملتان۔ علینا عامر، فیصل آباد۔ حفصہ مصطفیٰ، اوکاڑہ۔ عدن سجاد، جھنگ۔ تحریم فاطمہ، لاہور۔ فاطمہ شفیق، لاہور۔ علی عیش، گڑھا موڑ۔ عائشہ ذوالفقار، والٹن۔ حارث نعیم، لاہور۔ کشف طاہر، لاہور۔ سلیمان خان، میانوالی۔ سعد افضل، احسن افضل، جھنگ صدر۔ محمد اسد ملک، راول پنڈی کینٹ۔ ثمن رؤف، لاہور۔ مریم اعجاز، لاہور۔ محمد اخلاص، ڈیرہ اسماعیل خان۔ حسنہ موسیٰ، شرق پور۔ فیصل مقصود، بہاول پور۔ محمد سعد، صوابی۔ سارہ خالد ڈوگر، فیصل آباد۔ صفا الرحمٰن، لاہور۔ ماہ رخ، حیدر آباد۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ ایمان خلیق راجا، واہ کینٹ۔ ہادیہ، سدرہ مسعود، راول پنڈی۔ شفق فاطمہ، راول پنڈی کینٹ۔ فہد امین، اسد امین، گوجرانوالہ۔ نجم السحر، منڈی بہاؤ الدین۔ احمد عبداللہ، ملتان۔ سارہ جاوید، لاہور۔ احسان الرحمٰن، گوجرانوالہ۔ سید محمد نعمان، لالہ موسیٰ۔ محمد احسان، لاہور۔ عائشہ سید، پشاور۔ عائشہ ظفر، رحیم یار خان۔ اسامہ خباب علی، چیچنی۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ محمد بلال صدیقی، کراچی۔ حنظلہ عمران، لاہور۔ عمر مدثر، سیال کوٹ۔ ایمان فاطمہ، راول پنڈی۔ اسماور بنت آصف، پشاور۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں؟ ۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

میری بیاض سے

خود خدا حامی ہے ایسی نیک بخت اولاد کا
مانتی ہو حکم جو ماں باپ اور اُستاد کا
(محمد حنفا مغل، واہ کینٹ)

وہ اگلے زمانے کے مسلمان کہاں ہیں
اسلام کی عزت کے نگہبان کہاں ہیں
وہ آنکھ کہاں ہے جسے کہتے تھے "جہاں بیں"
حق بات جو سن لیتے تھے وہ کان کہاں ہیں
جو چھین لیا کرتے تھے اعدا کے دلوں کو
یاروں کے وہ اخلاق وہ احسان کہاں ہیں
(عذیر احمد، لاہور)

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
(عدن سجاد، جھنگ صدر)

کیوں اداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں
(حسین احمد ورک، راول پنڈی)

راز ہے، راز ہے تقدیر جہان تگ و تاز
جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
☆
کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
(عائشہ صدیقہ، ٹمن)

جو یقین کی راہ پر چل دیے
انہیں منزلوں نے پناہ دی
جنہیں وسوسوں نے ڈرا دیا
وہ قدم قدم پر بہک گئے
(نمرہ فرید، لاہور)

دُور کے چاند سے مٹی کا دیا بہتر ہے
جو غریبوں نے سرِ شام جلا رکھا ہے
☆
اس سے بڑھ کر دوست کوئی دوسرا ہوتا نہیں
سب جدا ہو جائیں، لیکن غم جدا ہوتا نہیں
(زینب ناصر، فیصل آباد)

میر مثل مشہور ہے کہ ہو عالم جو بے عمل
گویا اک گدھا ہے کتابوں سے لدا ہوا
(رانا بلال احمد، بھکر)

سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا
(خضر حیات، روڈہ تھل)

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے
(سعد ارشد، سیال کوٹ)

مانگ لینا اپنے رب سے اگر ہو یہ عقیدہ تمہارا
میرا رب تو انہیں بھی دیتا ہے جو پتھروں سے مانگتے ہیں
(عذرہ سعید، چکی شیخ جی)

جب بھی دو آنسو نکل کر رہ گئے
درد کے عنوان بدل کر رہ گئے
زندگی بھر ساتھ دینا تھا جنہیں
وہ دو قدم ہم راہ چل کر رہ گئے
(عبدالرحمٰن، راول پنڈی)

......☆......

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

کنویں کا قیدی

علی اکمل تصور

یہ حادثہ آناً فاناً ہوا تھا۔ توقیر کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ وہ کیچڑ زدہ گیلی زمین پر پھسل گیا تھا اور پھر زمین اس کے نیچے سے نکل گئی تھی۔ چند لمحوں تک اس نے خود کو زمین اور آسمان کے درمیان سفر کرتے ہوئے محسوس کیا اور پھر دھپ سے کسی نرم سی چیز پر گر پڑا۔ یہ گھاس پھونس اور پرالی کا بستر تھا۔ اس کی پیشانی سے خون کی ایک باریک سی لکیر بہتے ہوئے چہرے پر آگئی تھی۔ صدمے نے اس کے حواس معطل کر دیے تھے۔ پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ رات بھر بارش ہوتی رہی اور اب مطلع صاف ہو چکا تھا۔ سورج کی مہربان دھوپ چار سو پھیل چکی تھی۔ توقیر اور اس کے دوستوں کا دل مچل رہا تھا کہ آج سیر کرنے کے لیے جایا جائے۔ گاؤں سے باہر تاجی کا امرودوں والا باغ تھا۔ امرود ابھی کچے تھے۔ اس لیے باغ میں کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ ایسے میں چوری کے امرود کھانے میں اپنا ہی مزہ تھا، چاہے وہ کچے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان سب کے لیے یہ ایک طرح کا ایڈونچر تھا لیکن وہ سب یہ بات نہیں جانتے تھے کہ جس کام کی نیت اچھی نہ ہو اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا۔ توقیر کو اپنے ابو سے بہت ڈر لگتا تھا۔ ابو کو توقیر کے دوست پسند نہیں تھے۔ ابو اکثر توقیر کو یہ بات سمجھاتے تھے کہ بیٹا گندے دوست کوئلے جیسے ہوتے ہیں۔ کوئلہ سلگتا ہو تو ہاتھ جلاتا ہے۔ ٹھنڈا ہو تو ہاتھوں کو کالا کر دیتا ہے لیکن توقیر بھی کیا کرتا، اسے اپنے ان دوستوں کی محفل میں ہی مزا آتا تھا اور اب ان سب کا تاجی کے باغ میں جانے کا پروگرام بن گیا تھا۔ گاؤں سے نکل کر ایک کلومیٹر تک کا فاصلہ انہوں نے کودتے پھاندتے اٹھکیلیاں کرتے طے کیا۔ اب باغ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اب مزے ہی مزے تھے، جوش ہی جوش تھا۔ توقیر کو صرف ایک بات کی فکر تھی، وہ اپنے گھر والوں کو بتا کر نہیں آیا تھا۔ پھر جوش فکر پر حاوی ہو گیا۔ باغ اپنی بانہیں پھیلائے ان کے استقبال کے لیے کھڑا تھا۔ وہ سب ہو...... ہا...... کے نعرے لگاتے باغ میں داخل ہو گئے۔ جوش پہلے فکر پر غالب آیا تھا، اب ہوش پر بھی غالب آ چکا تھا۔ وہ سب دُنیا جہاں کا فکر بھول چکے تھے اور اب پوری لہر کے ساتھ مستی کر رہے تھے۔ کوئی امرود توڑ رہا تھا۔ کوئی شاخوں کے ساتھ جھول رہا تھا۔ چند پکڑا پکڑی کھیل رہے تھے۔ توقیر آگے دوڑ رہا تھا، اس کے دوست اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر آناً فاناً حادثہ ہو گیا۔ توقیر کیچڑ زدہ گیلی زمین پر پھسل گیا تھا۔ سامنے نشیب میں ایک کنواں موجود تھا۔ یہ کنواں بہت پرانا تھا۔ کبھی بیلوں کی مدد سے اس کنویں میں سے پانی نکالا جاتا تھا۔ پھر دور بدلا اور ٹیوب ویل آ گیا۔ یہ کنواں بند ہو گیا۔ پھر تہہ میں گھاس پھونس اُگ آیا۔ باغ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے مالک نے جھاڑیاں رکھ کر کنویں کا منہ بند کر دیا تھا لیکن توقیر کی رفتار پھسلنے کی وجہ سے بہت تیز تھی۔ جھاڑیاں اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھیں اور توقیر کنویں کی تہہ میں جا گرا تھا۔ کنویں کی اندرونی دیواریں کچی تھیں۔ جگہ جگہ سے اینٹیں اکھڑی ہوئی تھیں۔ دیوار کے ساتھ رگڑ سے توقیر کا سر بھی پھٹ گیا تھا۔ یہ ہنگامہ دیکھ کر اس کے تمام دوست بہت ڈر گئے تھے۔ سب نے واپس دوڑ لگا دی تھی۔ کسی نے توقیر کی مدد کرنے سے متعلق سوچا تک نہیں تھا۔

''اگر کسی کو پتا چل گیا کہ توقیر ہمارے ساتھ تھا تو توقیر کے گھر والے بہت پٹائی کریں گے۔'' یہ بات سوچ سوچ کر ان کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ پھر سب دوستوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ کسی کو کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔ گاؤں پہنچ کر سب تتر بتر ہو گئے تھے۔ ابو جی کی بات درست ثابت ہوئی تھی۔ ''کوئلہ سلگتا ہو تو ہاتھ جلاتا ہے، ٹھنڈا ہو تو ہاتھوں کو کالا کرتا ہے۔'' ایک ساتھ جانے والے ایک کو مصیبت میں چھوڑ آئے تھے۔

جب توقیر کو ہوش آیا تو سورج سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے سرسراہٹ کی آواز سنی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر تک خالی خالی آنکھوں سے اوپر کی طرف دیکھتا رہا۔ اوپر اسے آسمان گولائی کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔ پھر دیواروں کی گولائی شروع ہو جاتی تھی۔ دیواروں میں جگہ جگہ سوراخ موجود تھے۔ پھر اس کا دل اُچھل کر جیسے حلق میں آ پھنسا ہو۔ اس نے پھسلتے ہوئے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی لیکن اس کی ٹانگیں سامنے کے رُخ پھیلی ہوئی تھیں۔

''ہلنا مت...... اپنی جگہ پر ساکت ہو جاؤ!'' اس کے دل میں کسی نے سرگوشی کی تھی۔ ٹیلی ویژن پر چلنے والے ایک پروگرام کی فلم اسے یاد آ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سانپ پھن پھیلائے کھڑا تھا اور اپنی تیز نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ اپنی سرخ زبان منہ سے باہر نکالتا تھا۔ توقیر کا وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے فلم میں دیکھا تھا کہ سانپ حرکت کرنے پر کاٹتا ہے۔ اب توقیر کو کیا معلوم کہ یہ سانپ زہریلا تھا یا بے ضرر تھا۔ وہ خطرہ مول لینے کی کیفیت میں نہیں تھا۔ ابھی تو اسے کنویں سے باہر نکلنے کا بھی سوچنا تھا۔ ایک مصیبت ٹلی نہیں تھی اور دوسری آ پہنچی تھی۔ توقیر کا داہنا ہاتھ گھاس میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہاں کچھ نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنی آنکھوں کو حرکت دی اور بائیں طرف دیکھا۔ جب وہ کنویں میں گرا تھا تو اوپر موجود جھاڑیاں بھی اس کے ساتھ نیچے گری تھیں۔ سانپ جھاڑیوں میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اوپر سے توقیر نے سانپ کے پھن پر اپنا جوتا رکھ دیا تھا۔ سانپ مچل رہا تھا۔ جھاڑیوں کی نوکیلی ٹہنیاں اس کے جسم کو زخمی کر رہی تھیں۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ توقیر جوتے پر دباؤ بڑھا رہا تھا۔ سانپ اپنے جسم کی مدد سے توقیر کی ٹانگ کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کام میں جھاڑیاں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ پھر سانپ نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ جان بچانے کی کوشش میں ایک کام یابی توقیر کا مقدر بن چکی تھی۔ اب اسے کنویں میں سے باہر نکلنا تھا۔

''کوئی ہے...... کوئی ہے؟'' اس نے پوری قوت سے مدد کے لیے پکارا۔ اس کی آواز گونج کے ساتھ واپس آ رہی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اوپر باغ میں پرندے چہچہا رہے تھے۔ گاؤں میں توقیر کی گم شدگی کی خبر عام ہو چکی تھی۔ اسے ہر خاص اور عام جگہ پر تلاش کیا جا چکا تھا۔ گھر میں اس کی ماں اور بہنوں کا رو رو کر بُرا حال تھا۔ ابو جی بوکھلائے ہوئے اسے اِدھر اُدھر ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا پیارا بیٹا تاجی کے باغ

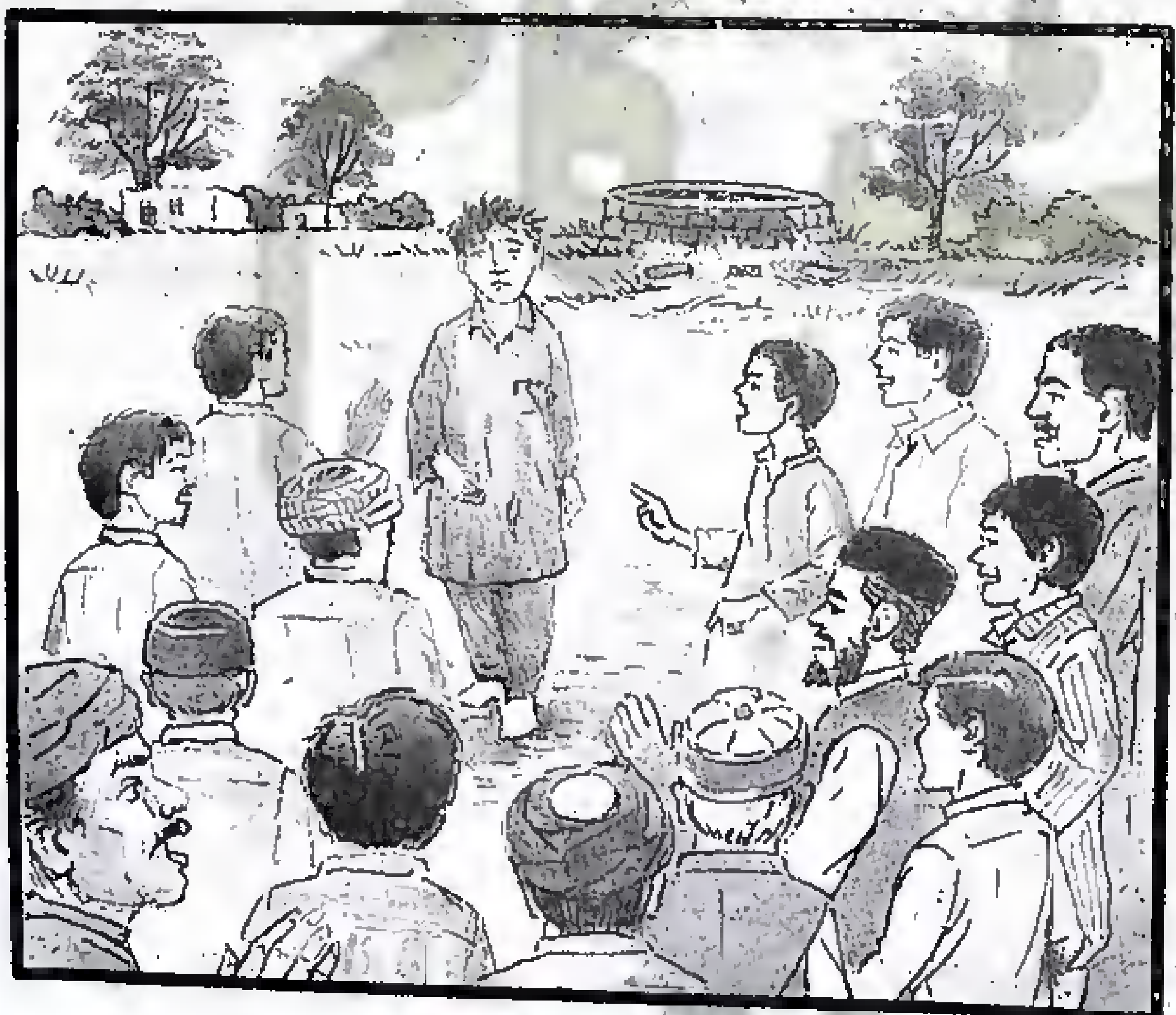

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں موجود کنویں کا قیدی ہو چکا ہے۔ وہ ان کی اجازت کے بغیر کبھی کہیں نہیں گیا تھا۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بھی جاتا تھا تو ان سے پوچھ کر جاتا تھا۔ اس کی ذرا سی غفلت گھر والوں کے لیے قیامت خیز ثابت ہوئی تھی اور اس کے کوئلے جیسے دوست خوف کی وجہ سے اپنا منہ کھولنے کو تیار نہیں تھے۔

شام ہو رہی تھی۔ اب توقیر کے ابو کے پاس ایک ہی راستہ بچا تھا۔ وہ پولیس اسٹیشن اپنے بیٹے کی گم شدگی کی خبر دینے چلے گئے تھے۔ پولیس انسپکٹر ہر طرح کے سوال پوچھ رہا تھا لیکن ابو کے پاس اس کے کسی سوال کا کوئی جواب موجود نہیں تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، بس ایک بے بسی والا جواب ان کے پاس موجود تھا۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے، ساتھ میں خوف کے سائے بھی گہرے ہو رہے تھے۔ توقیر کنویں میں اکیلا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ پرندے اپنے اپنے آشیانوں کی طرف واپس لوٹ رہے تھے۔ اسے آج اس بات کا شعور حاصل ہوا تھا۔ اپنے ماں باپ کے سائے میں محفوظ گھر کے در و دیوار میں رات گزارنے کی اہمیت کیا ہے؟

رات گہری ہوئی تو جنگلی جانوروں کی آوازوں کا شور اس کے کانوں سے ٹکرانے لگا۔ سب سے زیادہ کتے بھونک رہے تھے۔ خوف سے وہ ایک کونے میں سمٹ گیا۔ چار سو اندھیرا تھا۔ اس نے تصور کی آنکھ سے دیکھا، دیوار پر روشنی ہوئی تھی اور اسے اپنے ابو کا چہرہ نظر آیا تھا۔

"بیٹا! خوف اور ہمت میں سے جیت ہمیشہ ہمت کی ہوتی ہے۔ جو ہمت کرتا ہے وہ جیت جاتا ہے۔ قدم اُٹھاؤ! کامیابی صرف ایک قدم کے فاصلے پر ہمیشہ موجود ہوتی ہے مگر ہم سے اک قدم اُٹھایا نہیں جاتا ہے۔ قدم اٹھاؤ اور کامیابی کو مجبور کر دو کہ وہ تمہارے قدم چوم لے۔" توقیر کے چہرے پر عزم کا نور آ گیا تھا۔ اس کا خوف دُور ہو گیا تھا اور اب اسے صبح کا انتظار تھا۔

پھر صبح ہوئی، پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں سے باہر نکل آئے۔ اب توقیر کو بھی باہر نکلنا تھا۔ اس نے نظر اُٹھا کر دیوار کی طرف دیکھا، بوسیدہ دیوار میں جگہ جگہ پر سوراخ موجود تھے۔ اس نے اپنے جوتے اتار کر کمر کے ساتھ باندھ لیے اور پھر کسی چھپکلی کی مانند دیوار کے ساتھ چپک گیا۔ پھر اوپر چڑھنے کا سفر شروع ہوا۔ وہ دیوار کے سوراخوں میں انگلیاں پھنساتے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں میں درد ہونے لگا تھا۔ بازوؤں کے پٹھے اکڑ گئے تھے۔ پھر وہ نیچے گر پڑا۔

"ایک قدم...... صرف ایک قدم......" اس کے وجود میں ایک نیا جوش ایک نیا ولولہ پیدا ہو چکا تھا۔ پھر وہ یوں آگے بڑھا جیسے شیر اپنے شکار پر حملہ کرتا ہے۔ وہ ہر قسم کی تکلیف کو نظر انداز کرتا ہوا مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ کنویں کا منڈیر اب بس ایک ہاتھ دُور تھا۔ اس کے ہاتھ اور بازو شل ہو چکے تھے۔

"یااللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوالی ہوں۔ مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے۔" اس نے نم آنکھوں سے دعا مانگی اور پھر اچک کر کنویں کی منڈیر تھام لی۔ اس کے ساتھ اس نے اپنے وجود کو ایک زور کا جھٹکا دیا۔ اب وہ منڈیر کے اوپر اوندھا پڑا تھا۔ اس کی ٹانگیں کنویں میں لٹک رہی تھیں۔ تھوڑی دیر تک سانس لینے کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اللہ کی مدد سے اب وہ کنویں کی قید سے آزاد ہو چکا تھا۔ اب اس کے لیے ایک پل بھی یہاں رُکنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے ننگے پاؤں اپنے گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔

گاؤں میں توقیر کے گھر کے سامنے لوگوں کا ہجوم جمع تھا۔ رات گزر چکی تھی۔ توقیر کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ توقیر کے ابو غم سے نڈھال دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ پھر ایک شور سا بلند ہوا۔ ابو نے دیکھا ایک لڑکا چلا آ رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ جمے ہوئے خون کی لکیر اس کے چہرے پر موجود تھی۔ کپڑے گرد سے اَٹے ہوئے تھے۔ وہ ننگے پاؤں تھا اور اپنے جوتے اس نے کمر کے ساتھ باندھ رکھے تھے۔ ابو کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن جانے کیوں توقیر کو اس حالت میں دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ توقیر تیز دوڑتا ہوا آیا اور اپنے ابو سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"ابو آپ کی جس بات کو میں تب سمجھ نہیں پایا تھا، آج زندگی نے مجھے وہ بات سمجھا دی۔ بُرے دوست کوئلے کی مانند ہوتے ہیں۔ کوئلہ سلگتا ہو تو ہاتھ جلاتا ہے، ٹھنڈا ہو تو ہاتھ کالے کرتا ہے۔" توقیر کی بات سن کر ابو کو ساری کہانی سمجھ آ گئی تھی۔ پاس ہی توقیر کے تمام دوست کھڑے تھے۔ شرمندگی کے احساس سے ان سب کے سر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جھک گئے۔

"بیٹا! تم کوئلے جیسا دوست کبھی مت بننا۔" ابو کے لہجے میں پیار تھا۔

"جی ابو جی......" کل تک جس گھر میں غم کے آنسو تھے، اب وہاں خوشی کی مسکراہٹیں لوٹ آئی تھیں۔

☆☆☆

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

تہ خانے میں تابوت

عمار نے جلد ہی اپنے حواس پر قابو پالیا اور جیب میں سے پنسل ٹارچ نکالی جو ایسے نازک موقعوں کے لیے دونوں بھائی اپنے پاس رکھتے تھے مگر جب بار بار بٹن دبانے پر وہ نہ جلی تو اس نے اسے ٹٹول کر دیکھا۔ گرنے سے ٹارچ کا شیشہ اور بلب ٹوٹ گیا تھا۔

اس نے ٹارچ سے دیوار پر ٹھک ٹھک کر کے سگنل دینا شروع کیا مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ آخر چوتھی مرتبہ دیوار کی دوسری طرف سے عامر نے اسی طرح ٹھک ٹھک کی اور ساتھ ہی عمار کو آواز دی اور پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔

عمار نے عامر کو خفیہ راستے کے متعلق سمجھایا تو اس نے شمع کی روشنی دیوار پر ڈال کر کیل کو تلاش کر لیا مگر وہ عمار والا طریقہ استعمال کر کے خود بھی اس کے ساتھ تہ خانے میں قید نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے اس چور راستے کا راز معلوم کرنے کی کوشش شروع کی۔ چند منٹ کی تلاش کے بعد اسے کچھ فاصلے پر ایک دوسری کیل بھی نظر آ گئی۔ اس نے دروازے کو ایک جگہ ٹھہرانے کے لیے دوسری کیل پر دباؤ ڈالا تو دروازہ کھل کر ایک جگہ تھم گیا۔ اب وہ موم بتی ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا اور عمار کو پکارا: ’’کہاں ہو تم؟‘‘

’’یہیں ہوں، میری موم بتی بجھ گئی ہے۔‘‘ عمار نے تاریکی سے نکل کر سامنے آتے ہوئے کہا اور عامر کی شمع سے اپنی موم بتی جلائی۔

’’یہ کیا جگہ ہے؟‘‘ عامر نے شمع اوپر اُٹھا کر ارد گرد نظر دوڑائی۔ چھت اس کے سر سے چند فٹ ہی اوپر تھی۔ اس پر مکڑی کے جالے جھول رہے تھے۔ فرش پر گرد کی تہ جمی تھی اور گھٹن کے احساس کے ساتھ سیلی سیلی بو آ رہی تھی۔ مدھم روشنی میں ان کی نظر کمرے کے درمیان پڑے ایک مستطیل بکس پر پڑی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو وہ پتھر کا تابوت تھا۔

’’ارے! یہ تو ہم کسی قبرستان میں آ نکلے ہیں۔‘‘ عمار نے کہا۔

’’مگر تمہارے قیاس کے برعکس تھوڑی دیر پہلے ہی اس جگہ کوئی آیا ہے۔‘‘ عامر نے گرد آلود فرش پر قدموں کے تازہ نشان دکھاتے ہوئے کہا۔ یہ نشان دروازے سے تابوت تک گئے تھے۔ وہ ان نشانات کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے تابوت کے قریب پہنچ گئے۔

تابوت کے اوپر جمی ہوئی گرد پر کچھ لکھا دیکھ کر دونوں نے روشنی قریب کی۔ کسی نے انگلی سے گرد پر لکھا تھا۔ ’’زومی سے خبردار رہنا!‘‘

ایسی پُراسرار جگہ، کانپتی ہوئی مدھم روشنی اور اس پر یہ تنبیہ! لڑکوں کے دل لرز اُٹھے اور ریڑھ کی ہڈی پر سرد لہر دوڑ گئی۔ دونوں نے بے اختیار تابوت کے ڈھکنے پر ہاتھ رکھ دیے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

’’زومی اس جگہ آیا ہے۔ ممکن ہے وہ یہاں چھپا رہتا ہو۔ کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

خبر وہ اس وقت بھی اس تابوت کے اندر ہو۔'' عمار نے دہشت زدہ نظروں سے بھائی کے چہرے کو گھورتے ہوئے کہا۔

''تابوت کے اندر ہوگا تو ابھی نکال لیتے ہیں۔ میں ڈھکنا اُٹھا کر دیکھتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر عامر نے اپنی موم بتی زمین پر ٹکا دی۔ عمار نے روشنی قریب کی اور عامر نے دونوں ہاتھوں سے ڈھکنا اُٹھایا۔ تابوت خالی تھا مگر اس کے اندر جمی ہوئی گرد کہیں کہیں سے پونچھی ہوئی تھی، جیسے کسی نے کوئی چیز اندر سے نکالی ہو۔ انہوں نے پھر موم بتیاں اُٹھائیں اور گرد و پیش کا اچھی طرح جائزہ لیا مگر کوئی کارآمد بات معلوم نہ ہوسکی۔

تابوت کا ڈھکنا بند کر کے وہ باہر کے حصے میں آئے اور دروازہ بند کر دیا۔ باورچی خانے میں آ کر عامر نے کہا۔ ''جو شخص اس تہ خانے میں آتا جاتا ہے، اسے کس نے اس کا پتا بتایا؟ اس کے متعلق امجد سے پوچھیں گے۔''

ابھی وہ سیڑھیوں ہی میں تھے کہ سرد ہوا کا تیز جھونکا آیا اور اوپر کے دروازے کا ایک پٹ بند ہو گیا۔ باورچی خانے کا باہر کا دروازہ کھلا تھا، جہاں سے ہوا آ رہی تھی اور باہر کسی کے جلدی جلدی چلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''کوئی یہ دروازہ کھول کر ابھی باہر گیا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے وہ اس جگہ موجود تھا۔''

یہ کہہ کر عمار نے چھلانگ لگائی اور باہر نکل گیا۔ اس کے سامنے ہیٹن یونی فارم پہنے ایک آدمی جنگل کی سمت دوڑا جا رہا تھا۔ اس نے بھاگتے بھاگتے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کا لاش جیسا سفید اور بے نور چہرہ دیکھ کر عمار کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ پھر جب اس کے حواس بجا ہوئے تو وہ پُراسرار شخص جنگل کی تاریکی میں غائب ہو چکا تھا۔ اتنے میں عامر بھی آ پہنچا۔ عمار نے جنگل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''وہ ہے زومبی!''

''آؤ، اس کا پیچھا کریں۔'' عامر نے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر دوڑتے ہوئے کہا اور وہ پوری رفتار سے دوڑتے ہوئے جنگل میں گھس گئے۔

درختوں کی کندھی ہوئی شاخوں اور گھنی جھاڑیوں کے باعث ان کے لیے تیز دوڑنا مشکل تھا۔ پھر بھی وہ کافی دور تک زومبی کے تعاقب میں گئے مگر اس کا کہیں نشان نہ پایا۔ آخر ناکام واپس پلٹے۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ سچ مچ زومبی تھا؟ ایک تو اس کی صورت اس قدر ہولناک ہے، اوپر سے وہ چھلاوے کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گیا۔ عام آدمی تو ایسا نہیں کر سکتا۔'' عمار نے کہا۔

عامر نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''مجھے تو وہ بالکل عام آدمی لگتا ہے، ورنہ اسے دوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کھڑے کھڑے غائب ہو سکتا تھا۔''

''مگر وہ کوئی روح تو نہیں ہے ناں۔ لاش ہے جو زندہ آدمی کی طرح چل پھر سکتی ہے۔'' عمار نے کہا۔

''اور جنگل میں آگ لگا سکتی ہے۔ وہ بھی ماچس کی تیلی سے۔'' یہ کہہ کر عامر نے جھک کر زمین پر سے کوئی چیز اُٹھائی۔ یہ ماچس کی ڈبیا تھی جس کے اوپر لارڈز ہوٹل لکھا تھا۔

''آتے ہوئے میں نے یہ ہوٹل دیکھا ہے۔ چلو، شاید وہاں ہمیں کوئی کارآمد بات معلوم ہو سکے۔'' عامر نے کہا اور دونوں اپنی کار کی طرف دوڑے۔

چند منٹ کے بعد وہ لارڈز ہوٹل کی کئی منزلہ عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے کار کو درختوں کے جھنڈ میں چھپا دیا اور خود عمارت کے عین سامنے گھنے درختوں کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ یہاں سے وہ آنے جانے والوں کو دیکھ سکتے تھے۔ باقی سب جگہ اندھیرا تھا۔ بڑے دروازے سے لوگ آ جا رہے تھے۔

''معلوم ہوتا ہے پیچھے کا حصہ استعمال میں نہیں ہے۔ بالکل تاریک پڑے ہیں کمرے۔'' عمار نے کہا۔

''چلو، پیچھے کی طرف چلیں۔'' عامر بولا۔ دونوں ہوٹل کے پچھواڑے جا کر جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ یہاں تمام کمرے نہ صرف تاریک تھے بلکہ ان کے دروازوں پر لکڑی کے تختے لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک کار چند گز کے فاصلے پر اندھیرے میں رُکی اور ایک آدمی اُتر کر جلدی جلدی قدم اُٹھاتا ہوا ایک بہت بڑے درخت کے پیچھے چلا گیا۔ عامر اور عمار رینگتے ہوئے اس درخت کے پیچھے چلے گئے۔ عامر اور عمار رینگتے ہوئے اس درخت کے قریب پہنچے تو وہاں اس آدمی کا نام نشان تک نہ تھا۔

عامر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک اور کار اسی تاریکی میں آ کر ٹھہری اور ایک آدمی اُتر کر سیدھا ہوٹل کے کونے والے دروازے پر پہنچا۔ اس نے پہلے چار بار پھر تین بار اور آخری دفعہ دو بار تختے لگے ہوئے بند دروازے کو کھٹکھٹایا۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا، ایک

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

موٹا تازہ نگرو دربان باہر نکلا اور آنے والے کو اندر لے گیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ محض دکھاوے کے لیے کھڑکیوں اور دروازوں پر تختے لگائے گئے ہیں۔ ورنہ یہ سب کھلے ہوئے ہیں۔" عمار نے کہا۔

لڑکوں نے دس منٹ کے اندر اندر تین چار آدمیوں کو آتے اور اسی طرح دستک دے کر اندر داخل ہوتے دیکھا۔ آخری بار دربان نے ایک ایک مہمان کے لیے دروازہ کھولا اور اس کے اندر جانے کے بعد بند کرنے ہی والا تھا کہ عمار کو بے اختیار چھینک آ گئی۔ دربان آواز سن کر چونکا اور مُڑ کر دیکھنے لگا۔ لڑکے سمجھ گئے کہ وہ دروازہ بند کر کے اسی طرف آئے گا۔ عامر بھائی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا کچھ دُور لے گیا۔ دربان سیڑھیاں اُتر کر بلوط کے درخت کی طرف جا رہا تھا کہ ایک آدمی نے اسے پکارا:

"گومی! کہاں جا رہے ہو؟ مجھے پہلے ہی میٹنگ سے دیر ہو گئی ہے۔"

حبشی دربان راستے ہی سے مُڑ گیا اور واپس جا کر آنے والے کے لیے دروازہ کھول دیا۔ اسے اندر داخل کرنے کے بعد اس نے پھر دروازہ بند کیا اور اپنی تسلی کے لیے واپس آ کر اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر کندھے اُچکا کر واپس چلا گیا۔

پشت کیے کسی آدمی سے بات کر رہا تھا۔ دونوں چند قدم اور آگے بڑھ گئے، جیسے کسی مناسب نشست کی تلاش میں ہوں۔ اتنے میں دربان کی آواز آئی۔ "تم کانسرٹ ڈائریکٹر ہو، پولارڈ، اور سب کام وقت پر کرنا تمہارا فرض ہے۔"

"گومی، اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔ جیسن نے دو گٹار بجانے والوں کا وعدہ کیا تھا۔ گٹار وہ خود پہنچا گیا مگر بجانے والے ابھی تک نہیں پہنچے۔" دوسرا آدمی سہمی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔ اب تم ہی ذمے دار ہو۔" گومی نے ایسے رعب سے کہا جیسے وہ ہوٹل کا مالک یا منیجر ہو۔

وہ ہاتھ جھٹکتا ہوا دوسرے دروازے میں داخل ہو گیا تو پولارڈ جو ذرا کھلتے ہوئے سانولے رنگ کا حبشی تھا، لڑکوں کی طرف مُڑا۔ وہ سیدھا ان کے پاس آیا اور بولا۔ "کیا تم ہی وہ گٹار نواز ہو جنہیں جیسن نے بھیجا ہے؟"

عامر ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ عمار نے جھٹ "ہاں" کہتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"تمہیں اتنی دیر کیوں ہو گئی؟" وہ کچھ خفگی سے بولا۔

"ہماری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔" عمار نے جواب دیا۔

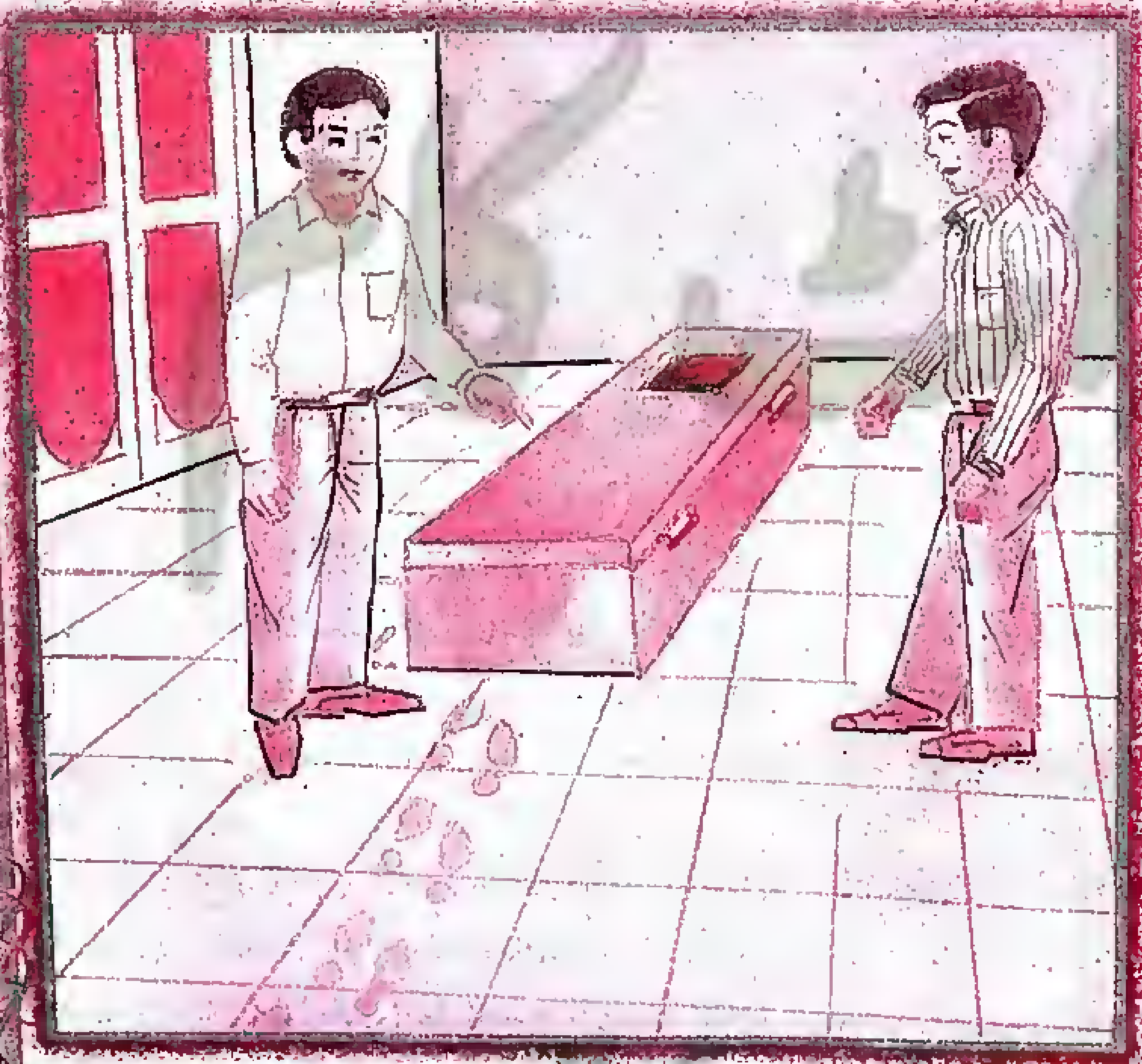

☆......☆......☆

"شکر ہے، بلا ٹل گئی" عمار نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"یہ بدمعاش اندر کوئی اہم میٹنگ کر رہے ہیں۔ اب کیا کرنا چاہیے؟" عامر نے پوچھا۔

"سامنے والے دروازے سے ہوٹل میں جانا چاہیے۔ اس کے بعد موقع محل کے مطابق دیکھیں گے کہ کیا کرنا مناسب ہے۔" عمار نے کہا۔

وہ چکر کاٹ کر صدر دروازے پر پہنچے اور عام گاہکوں کی طرح ہال میں داخل ہوئے، جہاں ہیڈ ویٹر لوگوں کو نشستوں پر بٹھا رہا تھا۔ ہال کے آخری کونے میں انہیں وہی حبشی دربان کھڑا نظر آیا۔ وہ ان کی طرف

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"اچھا! چلو، جلدی سے لباس تبدیل کر لو۔ بار روم میں سب انتظار کر رہے ہیں۔" وہ انہیں لیے بار روم میں آیا۔ ڈائس پر ایک سفید فام لڑکی ہاتھ میں مائیکروفون لیے کھڑی تھی۔ قریب ہی ایک سفید فام لڑکا گٹار کی تاروں کو آہستہ آہستہ چھیڑ رہا تھا۔ یولارڈ نے اس سے کہا۔ "جارج، انہیں ڈریس روم کا راستہ دکھا دو۔" اور اس لڑکے نے انہیں ڈریس روم تک پہنچا کر دروازہ بند کر دیا۔

عامر نے جلدی سے وارڈ روب کھول کر اپنے ناپ کی جینز تلاش کی اور ایک سفید قمیص اُٹھا کر پردے کے پیچھے چلا گیا۔ جب وہ کپڑے پہن کر نکلا تو عمار کو دیکھ کر بے اختیار ہنسنے لگا۔ وہ ایک بہت کھلی قمیص پہنے کھڑا تھا، جس کے کف اس کی انگلیوں سے بھی نیچے لٹک رہے تھے۔

"یوں لگتا ہے جیسے میں کسی تنبو کے اندر گھس گیا ہوں۔ تمہیں تو خوب فٹ کپڑے مل گئے۔" عمار منہ بسور کر بولا۔

"اس طرف کچھ اور قمیصیں پڑی ہیں۔ ان میں سے کوئی دیکھ لو۔" عامر نے کہا۔

اتنے میں میوزک ڈائریکٹر نے دروازے پر دستک دی۔ "جلدی کرو، بہت دیر ہو گئی ہے۔"

عمار کی آستینیں اب بھی کافی لمبی تھیں جنہیں تہ کر کے اس نے اوپر کیا اور پھر دونوں نے ہال میں آ کر گٹار سنبھالے۔ موقع پا کر عمار نے بھائی کے کان میں سرگوشی کی۔ "وارڈ روب میں مَیں نے ہیٹن یونی فارم لٹکی ہوئی دیکھی ہے، جس کا ایک بٹن غائب ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ زومی عام کپڑوں میں اس جگہ موجود ہو؟"

"وہ یہاں کیا کرنے آئے گا؟ چلو، شروع کرو۔ وہ انتظار کر رہے ہیں۔"

"مگر وہ یونی فارم؟" عمار نے پھر کہا۔

عامر نے اسے کڑی نظروں سے دیکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ "ممکن ہے ہوٹل والوں نے فینسی ڈریس کے لیے رکھ چھوڑی ہو۔"

اسٹیج پر موجود عورت نے گانا شروع کیا تو لڑکوں نے ساز بجانا شروع کر دیا۔ انہوں نے اسکول میں گٹار بجانا سیکھا تھا اور وہ گٹار کے اچھے ماہر تھے۔

پروگرام ختم ہوا تو انہوں نے ڈریس روم میں جا کر لباس تبدیل کیا اور عمار نے عامر کو ہیٹن یونی فارم دکھائی۔ دونوں نے جلدی جلدی اس کی جیبوں کی تلاشی لی مگر کچھ نہ ملا۔ وہ باہر آئے تو میوزک ڈائریکٹر نے انہیں اجرت دی، مگر وہ باہر جانے کی بجائے آنکھ بچا کر ہوٹل کے کمروں میں گھس گئے۔

"سب دروازے کھلے ہیں۔ باہر سے یوں لگتا ہے کہ تختے لگا کر بند کر دیئے گئے ہیں۔" عامر نے کہا۔

وہ ایک تاریک سے گوشے میں کھڑے تھے کہ پیچھے کے دروازے پر اسی طرح دستک ہوئی اور اسی حبشی دربان نے جس کا نام گومی تھا، دروازہ کھول کر ایک آدمی کو اندر داخل کیا۔

"ان کی میٹنگ ابھی جاری ہے۔" عامر نے کہا۔

"اندر جا کر دیکھیں تو سہی، کیا ہو رہا ہے۔" عمار نے تجویز پیش کی۔

دونوں اسی طرح بچتے بچاتے صدر دروازے سے باہر نکلے اور ہوٹل کے پیچھے پہنچ کر اسی انداز سے دروازے پر دستک دی۔ پہلے چار دفعہ، پھر تین اور اس کے بعد دو دفعہ۔ دروازہ کھلا اور حبشی دربان باہر آیا۔ اس نے لڑکوں کو گھورتے ہوئے کہا:

"میں نے تم دونوں کو پہلے کبھی نہیں دیکھا؟"

"ہم پہلی بار آئے ہیں۔ ایک خاص ڈیوٹی ہمیں سونپی گئی ہے۔" عمار نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"باس نے ہمیں خود سگنل دیا اور کہا کہ آج سے تم دونوں بھی میٹنگ میں حصہ لیا کرو گے۔" عامر نے کہا۔

"ٹھیک ہے، اگر باس نے تمہیں اجازت دی ہے تو میں کیسے روک سکتا ہوں۔ راہ داری کے آخر میں، جہاں روشنی ہے، چلے جاؤ۔"

اس کی آواز میں شبہے کی کھنک تھی اور وہ شک کی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ لڑکے اندھیری راہ داری میں دبے پاؤں چلتے ہوئے آگے بڑھے۔ کمرے میں بہت ہلکے پاور کا بلب روشن تھا۔ وسط میں ایک گول میز تھی جس کے اوپر ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا تھا اور بارہ تیرہ آدمی اس پر جھکے ہوئے تھے۔ لڑکوں کی طرف کسی کا دھیان نہ تھا۔ اتنے میں کیسٹ میں سے ایک مخفی سی آواز اُبھری:

"میں نے تمہیں ساری تفصیل سمجھا دی ہے۔ بہت ہوشیاری سے کام کرنا۔ سارا سامان اوپر کے چوبارے میں اکٹھا کر دینا اور جب یہ چیزیں متعلقہ آدمیوں کے سپرد کرنے لگو تو مزید ہوشیار رہنا اور ہاں! یہ بھی سن لو کہ آج رات ہمیں ببر شیروں کو سدھانا ہے۔ بس آج کے لیے اسی قدر کافی ہے۔" اور آواز بند ہو گئی۔

"یہ آخری الفاظ یقیناً کوڈ (خفیہ لفظ) ہیں۔" عامر نے کہا۔

(بقیہ: صفحہ نمبر 6)

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

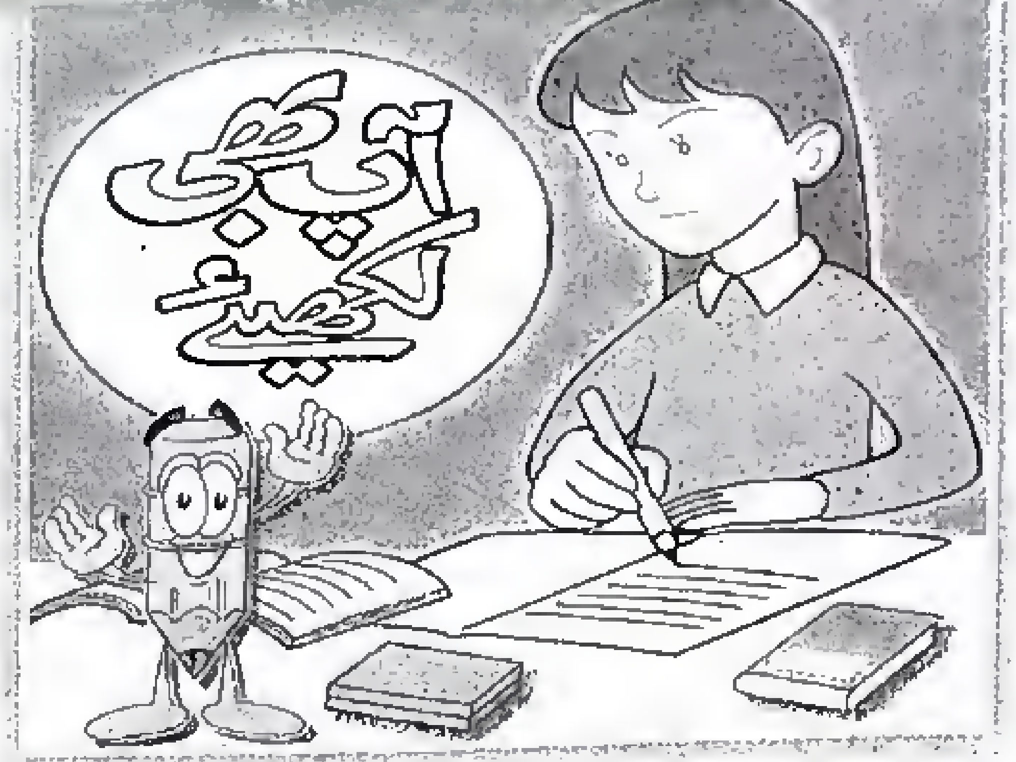

شمع

(مومنہ احسن، فیصل آباد)

پاکستان وہ وطن نہیں جو اس کے بسنے والوں کو وراثت میں ملا ہو بلکہ اس کی تعمیر میں ہندوستان کے مسلمانوں کا گوشت گارے کی جگہ، خون پانی کی جگہ اور ہڈیاں اینٹوں کی جگہ استعمال ہوئی تھیں۔ کتنی ماؤں کے سامنے ان کے بیٹے قتل کر دیے گئے، کتنے بزرگوں کے سامنے ان کے خاندان نذرِ آتش کیے گئے...... کتنی پاک دامنوں نے نہروں اور کنوؤں میں ڈوب کر پاکستان کی قیمت ادا کی۔

اے وطن ! تو نے پکارا تو لہو کھول اُٹھا
تیرے بیٹے، تیرے جانباز چلے آئے ہیں
تیری بنیادوں میں ہے لاکھوں شہیدوں کا لہو
ہم تجھے گنجِ دو عالم سے گراں پاتے ہیں

ابدال جوش میں اپنی تقریر کی تیاری کر رہا تھا جب اس کے دادا خاموشی سے کمرے میں داخل ہوئے اور بیٹھ کر اس کی تقریر سننے لگے۔ جوں جوں وہ تقریر سنتے جا رہے تھے، توں توں آنسو بہہ کر ان کے رخساروں میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔ ابدال شعر ختم کر کے سانس لینے کے لیے رکا تو اس کی نظر دادا کے چہرے پر پڑی۔ وہ ایک لمحے کے لیے سناٹے میں آ گیا۔ وہ حیرانگی کے عالم میں دادا کے افسردہ چہرے کو دیکھتا ہوا ان کے پاس بھاگ کر پہنچا۔ ”دادا! کیا ہوا؟ یہ آنسو......؟ میں نے کچھ غلط کہہ دیا، دادا! کچھ بولیں تو، کیا ہوا؟“ ابدال کے یوں بوکھلا جانے پر دادا نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور بولے ”نہیں بیٹا! تم نے تو حقیقت بیان کی ہے۔ تم نے سچ کہا ہے...... سچ...... یہی حقیقت تھی...... بالکل یہی منظر، ایسے ہی دل خراش واقعات تھے۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ کس کا کون سا مذہب، کون سا خاندان ہے؟ ان (ہندوؤں) کا نشانہ تو کلمہ گو مسلمان تھے۔ بیٹا! یہ تو خوشی کے آنسو ہیں کہ آج میری نسل میں کچھ کر دکھانے کا جذبہ ہے۔ ہم تو اتنے مصروف ہو گئے ہیں کہ اپنا علم اگلی نسل تک منتقل کرنے کا وقت ہی نہیں لیکن ہماری نسل کو واسکوڈے گاما کی طرح تحقیق کرنے کی جستجو، آرزو ہے جو اسے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ ہاں! یہ خوشی کے آنسو ہیں...... میں سمجھتا تھا کہ اُمید کی کوئی کرن نہیں لیکن آج مجھے پتا چلا ہے کہ اُمید کی کرن بجھی نہیں بلکہ نہ بجھنے والی شمع بن گئی ہے۔“

دادا ابو بولتے چلے گئے اور ابدال کو ایک تسکین، ایک خوشی ملی، ایک ذمہ داری کا احساس ہوا۔ وہ ہنس کر ان کے سینے سے لپٹ گیا اور بولا: ”تو یوں کہیں ناں:

اک شمع بجھی تو کئی اور جلا لیں گے......
ہم گردشِ دوراں سے بڑی چال چلے ہیں۔“

دادا ابو اپنے ننھے ہیرو، اپنی ننھی سی شمع کو مسکراتے ہوئے چومنے لگے۔ وہ سکون محسوس کر رہے تھے اور شکر ادا کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں......! (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)

ٹیکسی ڈرائیور

(ثمیر دنیہ ثناء، حیدر آباد)

اتوار کا دن تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ موسم بہت خوش گوار تھا۔ مریم شاپنگ مال جانے کے لیے ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹیکسی کی سیٹیں سرخ تھیں، جن پر نیلے نیلے پھول بنے ہوئے تھے۔ مریم کے پاس ایک چھوٹا سا پرس تھا، جس میں شاپنگ کے لیے پیسے رکھے ہوئے تھے۔ مریم نے اپنا پرس سیٹ پر رکھا اور کھڑکی کے باہر ہرے بھرے درختوں کا منظر دیکھنے لگی۔ جب شاپنگ مال آ گیا تو ٹیکسی رُک گئی، مریم اُتر گئی اور اپنا پرس ٹیکسی میں ہی بھول گئی۔ مریم شاپنگ مال کے اندر چلی گئی، مگر ٹیکسی والے نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو مریم کا پرس اندر ہی رہ گیا تھا۔ پرس کو دیکھ کر ٹیکسی والے کے اوسان خطا ہو گئے۔ کہیں اس میں پیسوں کے بجائے کچھ اور تو نہیں ہے۔ یہ سوچتے ہی اسے لگا کہ اسے کھول کر دیکھنا چاہیے کہ اس میں کیا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے پرس کھول کر دیکھا تو اس میں ہزار ہزار کے بہت سارے نوٹ تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے سوچا کہ مجھے ان پیسوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ بچوں کی فیس، گھر کا راشن اور گلو بھائی سے جو پیسے

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیے تھے، اسے واپس بھی تو کرنا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے سوچا کہ یہ پیسے میں نے چرائے تو نہیں ہیں بلکہ وہ عورت سے خود ہی چھوڑ کی گئی ہے۔ اس میں میری تو کوئی غلطی نہیں ہے۔ اس پرس کی وجہ سے نفس اور ضمیر کی آپس میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس کا نفس کہتا: ''اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے، پیسے لو اور خرچ کر لو، تمہاری بہت ضرورتیں ہیں لیکن اس کا ضمیر کہتا کہ نہیں، نہیں ان پیسوں کو خرچ نہ کرو۔ یہ اس عورت کی امانت ہے۔ اس لیے واپس لوٹا دو۔''

آخرکار ٹیکسی ڈرائیور کا ضمیر جیت گیا۔ ٹیکسی والا مریم کو ڈھونڈ رہا تھا اور ادھر مریم پرس کو ڈھونڈ رہی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے مریم کو بہت ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن مریم نہیں ملی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے پرس کھولا تو اسے اس کے پرس میں سے اس عورت کا شناختی کارڈ مل گیا۔ شناختی کارڈ میں مریم کا پتا تھا۔ مریم کو پرس نہیں ملا تو تھک ہار کر گھر واپس آ گئی۔ مریم کو گھر واپس آئے ہوئے ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ گھر کی گھنٹی بجی۔ مریم نے دروازہ کھولا تو دروازے پر ٹیکسی ڈرائیور کو پایا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے مریم کے کچھ پوچھنے سے بھی پہلے ہی اس کا پرس اسے دے دیا اور کہا کہ آپ اسے ٹیکسی میں ہی بھول آئی تھیں۔ اس کے اندر آپ کا شناختی کارڈ تھا جس کی وجہ سے مجھے معلوم ہوا کہ آپ کہاں رہتی ہیں۔ مریم نے پوچھا: ''کیا یہ ٹیکسی تمہاری ہے؟'' ڈرائیور نے کہا۔ ''نہیں۔'' مریم نے کہا: ''مجھے ایک ڈرائیور کی ضرورت ہے۔ اگر چاہو تو تم یہاں ملازمت کر سکتے ہو۔ یہاں تمہیں اچھی تنخواہ ملے گی۔'' یہ سن کر ڈرائیور کے چہرے سے خوشی ظاہر ہونے لگی۔ اس نے کہا: ''ٹھیک ہے، آپ بہت مہربان خاتون ہیں۔'' اس طرح ٹیکسی ڈرائیور کو اپنی ایمان داری کا انعام مل گیا۔

(دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

پسندیدگی

(محمد حسنات حمید، کامونکی)

جوں ہی ہم نے مڈل امتحان کی ڈیٹ شیٹ دیکھی، ہمارے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور دل اُچھل کر حلق میں آ گیا کیوں کہ سب سے پہلا پرچہ الجبرے کا تھا اور یہ وہ الجبرا تھا جس نے ہمیں پورے خاندان میں نالائق مشہور کر رکھا تھا۔

اسی الجبرے کی وجہ سے بھائی جان نے ہمیں چیلنج کر رکھا تھا کہ اگر اس میں ہمارے نمبر 75 فی صد سے زائد ہوئے تو وہ ہمیں اپنا قیمتی کیمرہ بطور تحفہ دیں گے، مگر افسوس ہم نے تو الجبرے میں کبھی ساٹھ فیصد سے زائد نمبر ہی نہ لیے تھے، پھر بھلا 75 فی صد تک کیسے پہنچتے۔ آخرکار ہم نے اپنے آپ کو سنبھالا اور یہ سوچ کر

تو الجبرے سے نہ گھبرا اے حسنات
یہ تو بنا ہے تجھے کیمرہ دلانے کے لیے

ہم نے ارادہ کر لیا کہ الجبرے کی خوب اچھی طرح تیاری کریں گے۔ چناں چہ اگلے روز صبح صبح ناشتا کرنے کے بعد اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

شام سات بجے یہ سوچتے ہوئے کہ اب تھوڑا سا آرام کر لینا چاہیے، باغیچے میں آ گئے جہاں امی، نادیہ کو کسی بات پر ڈانٹ رہی تھیں۔ پتا چلا کہ نادیہ چوری چوری تعلیم و تربیت پڑھ رہی تھی جو حال ہی میں چھپا تھا اور امی نے ہدایت کی تھی کہ کوئی بھی امتحانوں سے پہلے اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔

ہم نادیہ کو ڈانٹ پڑتی دیکھ کر مسکرا رہے تھے اور وہ ہمیں گھورے جا رہی تھی۔ نادیہ کو ڈانٹنے کے بعد امی نے تعلیم و تربیت اُٹھایا اور اندر چل دیں۔ اب وہ یقیناً اسے ایسی جگہ چھپانا چاہتی تھیں جو ہماری پہنچ سے دُور ہو۔

تعلیم و تربیت دیکھ کر ہمارے دل میں بھی کھد بد ہونے لگی۔ چناں چہ ہم نے سوچا ابھی تو امتحان میں آٹھ دس دن باقی ہیں، کیوں نہ آج رات ہی کو تعلیم و تربیت پڑھ کر ختم کر لیا جائے، لہٰذا جب رات ہوئی اور سب سونے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو ہم نے تعلیم و تربیت کی تلاش شروع کر دی۔ پہلے کچن کی تلاشی لی پھر ڈرائنگ روم اور ریڈنگ روم کی۔ ہم حیران تھے آخر امی نے تعلیم و تربیت چھپایا کہاں؟

یوں ہی ڈھونڈتے ہوئے ہماری نظر فریج پر جا پڑی۔ سوچا کچھ کھا لیا جائے۔ فریج کھولا تو سامنے اکلوتا آم ہمارا منتظر تھا۔ چھری لینے کچن میں گئے تو وہاں بوتلوں کے سٹینڈ کے پاس ہی خالی جگہ پر تعلیم و تربیت پڑا تھا۔ ہم حیران تھے کہ آخر تعلیم و تربیت ہمیں پہلے کیوں نہ نظر آیا۔ ہم خوشی کے مارے سیٹی بجانے ہی لگے تھے کہ کندھے پر کسی کا دباؤ محسوس کر کے ہماری سیٹی گم ہو گئی۔

''مجھے معلوم تھا کہ تم تعلیم و تربیت ضرور تلاش کرو گے، لہٰذا میں نے تمہارا تعاقب کیا۔ تعلیم و تربیت ڈھونڈنے کا بہت بہت شکریہ۔'' یہ کہتے ہوئے نادیہ نے ہمارے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔''

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہم جو پہلے نادیہ کو جن بھوت سمجھ کر ڈر گئے تھے اب فوراً پلٹے اور تعلیم و تربیت پر جھپٹے لیکن نادیہ نے بھی تعلیم و تربیت بڑی مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ کھینچا تانی شروع ہوگئی، آخر تعلیم و تربیت کب تک جھٹکے سہتا، درمیان میں سے اس کے دو ٹکڑے ہوئے اور ہم اپنے ہی جھٹکے سے برتنوں کے اسٹینڈ پر جا گرے۔

برتن فرش پر گرے اور جو برتن اپنی زندگی سے تنگ آ چکے تھے وہ گرتے ہی ٹوٹ گئے۔ ہم نے نظریں اُٹھا کر دیکھا، گھر کے دیگر افراد ہمیں گھورے جا رہے تھے۔ امی نے ہمیں بھی کھری کھری سنائیں۔ ہمیں سزا کے طور پر جرمانہ ہوا اور اپنے جیب خرچ سے نیا تعلیم و تربیت خرید کر لانا پڑا۔ (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

کام یابی کی کنجی

(فرازیہ اقبال، گوجرانوالہ)

”اُٹھو! عمر! دس بج گئے ہیں اور تم اب تک سو رہے ہو۔ کبھی تو جلدی اُٹھ جایا کرو۔“ ”امی! بس دو منٹ۔“ یہ کہتے ہوئے اسلم نے چادر اوڑھ لی کیوں کہ اے سی کے چلنے کی وجہ سے کمرا بہت ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ امی اسے آوازیں دیتی کمرے سے باہر آ گئیں۔ گیارہ بجے عمر اُٹھا اور امی سے لڑائی کرنے لگا کہ آپ نے مجھے اُٹھایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا تھا مجھے جلدی اُٹھانا۔ ”بیٹا! میں تمھیں کب سے اُٹھا رہی تھی مگر تم کہاں اُٹھنے والے تھے۔“ عمر اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ لاڈلا بھی بہت تھا مگر بدتمیز نہیں تھا۔ اس کی کچھ عادتیں بہت بری تھیں جس کی وجہ سے ہمیشہ اسے ڈانٹ پڑتی۔ آج کل وہ کسی نوکری کی تلاش میں تھا۔ اس نے اخبار میں نوکری کے لیے ایک اشتہار دیکھا۔ اپنی تعلیم کے مطابق وہ اس نوکری کا اہل تھا لیکن اشتہار کے ساتھ ”وقت کی پابندی لازمی ہے“ لکھا دیکھ کر پہلے تو گھبرا گیا، پھر اسے یہ سوچ کر تسکین حاصل ہوئی کہ یہ تو ہر دفتر پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، آج کل کوئی بھی وقت کی پابندی نہیں کرتا۔ کچھ ہی دنوں میں اسے انٹرویو کے لیے بلایا گیا۔ دفتر کے مالک نے خود انٹرویو لیا۔ اسے کام یابی حاصل ہوئی۔ اس کے باس نے بتایا کہ یہاں وقت کی پابندی بہت ضروری ہے۔ یہاں ایک منٹ تو کیا، ایک سیکنڈ بھی دیر سے آنے والے کو دفتر سے نکال دیا جاتا ہے۔ عمر نے کہا کہ میں آپ کے حکم پر عمل کروں گا اور دفتر وقت پر آنے کی کوشش کروں گا۔ رات دس بجے پاکستان کا کرکٹ میچ شروع ہوا۔ کرکٹ تو اس کا پسندیدہ کھیل تھا اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ تین بجے تک میچ دیکھتا رہا اور پھر سو گیا۔

صبح امی نے نماز کے لیے اُٹھایا مگر وہ نہ اُٹھا کیوں کہ ابھی وہ تھوڑی دیر پہلے ہی سویا تھا۔ جب دس بجنے میں پندرہ منٹ رہ گئے، تب وہ اُٹھا اور جلدی جلدی تیار ہو کر بغیر ناشتا کیے اپنی کار میں بیٹھ کر دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔ دفتر اس کے گھر سے اتنا دور نہیں تھا، بس پانچ منٹ کا فاصلہ تھا۔ جب وہ دفتر پہنچا تو گھڑی پر دس بج کر دو منٹ ہو چکے تھے۔ باس بھی اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ جوں ہی انھوں نے عمر کو دیکھا تو وہیں کھڑے کھڑے اسے سنا دی۔ عمر نے ایک موقع مانگا مگر اسے یہ موقع نہ ملا اور وہ اُلٹے پاؤں واپس لوٹ آیا۔

عمر بوجھل قدموں سے گھر میں داخل ہوا۔ امی نے پوچھا۔ ”خیر تو ہے، آج تو دفتر نہیں گئے۔ آج تو تمھارا پہلا دن تھا، کیوں نہیں گئے؟“ عمر نے کہا: ”امی گیا تھا مگر باس نے دفتر سے نکال دیا۔ بس اس وجہ سے کہ میں دو منٹ صرف دو منٹ دیر سے پہنچا تھا۔ ان کا کیا بگڑ جاتا، اگر ایک موقع اور مل جاتا۔“ ”بیٹا! کوئی بات نہیں، غلطی کر کے ایک موقع کبھی کبھی ملتا ہے۔ ویسے بھی میں نے تم سے اتنی مرتبہ کہا تھا کہ جلدی اُٹھا کرو مگر تم ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے۔ بیٹا! میری بات یاد رکھنا کہ وقت کی پابندی ہی کام یابی کی کنجی ہے۔“

(چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

ہمارا پرچم

(سیدہ شمیمہ شاہین، لیہ)

گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد اسکول کھل چکے تھے اور زور و شور سے جشنِ آزادی منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تمام کلاسز کے بچے اپنے اپنے کمرے سجا رہے تھے۔

شہرام نے جھنڈیوں کا پیکٹ کھولتے ہوئے پوچھا: ”نروان یار، تم کس چیز میں حصہ لو گے؟“ ”پتنگ اُڑانے میں۔“ نروان کی بجائے علی نے جواب دیا۔ ”جی نہیں، میں تقریر کروں گا۔“ نروان نے علی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”ویسے بات تو علی کی ٹھیک ہے، تمھیں پتنگ بازی میں پہلا انعام مل سکتا ہے۔“ شہرام نے ہنس کر کہا تو نروان بھی ہنس پڑا۔

شہرام، نروان اور علی تینوں بہت اچھے دوست تھے۔ اکٹھے اسکول جانا، پڑھنا اور شرارتیں کرنا ان کا معمول تھا۔ پتنگ بازی کا شوق صرف نروان کو ہی تھا۔ شہرام اور علی حیرت سے نروان کو دیکھتے جب وہ

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

کمال مہارت سے پتنگ اُڑاتا اور دوسروں کی پتنگیں کاٹتا۔ اپنے شوق میں نروان نے کئی بار چوٹ بھی کھائی مگر پتنگ بازی سے باز نہ آیا۔

"علی بیٹا! یہ ذرا نروان کو تو چھت سے اُتار لاؤ، اسکول سے آتے ہی پتنگ لے کر چھت پر چڑھ گیا ہے۔" نروان کی امی نے علی سے کہا۔ "چچی جان نروان چھت پر تو نہیں ہے۔ میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔" علی نے بتایا۔ "تو پھر گلی میں نکل گیا ہوگا، میں نے اسے بازار بھیجنا تھا۔" چچی جان غصے سے بولیں۔ "کیا لانا ہے بازار سے؟ لائیے! میں لے آتا ہوں۔" علی نے چچی جان کے ہاتھ سے پیسے اور باہر نکل گیا۔ جھنڈیوں اور سبز ہلالی پرچموں سے گلیاں بازار سجے ہوئے تھے۔ بازار میں غیر معمولی رونق تھی۔ بائیک اور سائیکل سواروں نے اپنی سواری پر سبز پرچم لگا رکھا تھا۔ علی اس سجاوٹ کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک جگہ رش کی وجہ سے اسے رُکنا پڑا تو دیکھا نروان سائیکل سے گر کر سڑک پر پڑا تھا۔ علی تیزی سے آگے بڑھا۔ شہرام اسے (نروان کو) سہارا دے کر کھڑا کر رہا تھا۔ دونوں اسے گھر لے آئے۔

"یقیناً پتنگ کے پیچھے بھاگ رہا ہوگا۔" نروان کی امی نے اس کی مرہم پٹی کرتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ تو کہہ رہا تھا کہ سائیکل سے گرا ہے۔" شہرام بولا۔ "ہاں تو سائیکل پر بھاگ رہا ہوگا پتنگ کے پیچھے۔" نروان کی امی کا غصہ ابھی بھی وہیں تھا۔ "تمہیں پتنگ ملے نہ ملے ایک عدد چوٹ ضرور مل جاتی ہے، پھر بھی باز نہیں آتے۔" شہرام کی امی نے نروان کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "اور اس بار تو دو چوٹیں آئی ہیں۔" شہرام بولا۔

"میں کسی پتنگ کے پیچھے نہیں بھاگ رہا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ بازار میں زمین پر کچھ جھنڈیاں گری ہوئی تھیں، میں نے سوچا پیدل چلنے والوں کے پیروں کے نیچے آئیں گی تو بے ادبی ہو گی۔ آپ سب کو پتا ہے کہ میری تقریر کا عنوان بھی اپنے پرچم کی اہمیت اور حفاظت ہے۔ مجھے اپنے سر کی سمجھائی ہوئی بات یاد آئی کہ ہمیں اپنے پرچم کا بے حد احترام کرنا چاہیے۔ میں جیسے ہی جھنڈیاں اُٹھانے کے لیے جھکا تو سائیکل کا ہینڈل میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں......" نروان نے درد سے آنکھیں بند کر لیں۔ "لو، ہم کیا سمجھتے رہے، ہمارا نروان تو بہت ہی اچھا اور ذمہ دار بچہ ہے۔" شہرام کی امی نے خوش ہو کر کہا۔ "تو اور کیا اتنا بھی نا سمجھ نہیں ہے کہ جشن آزادی کی تیاری کرنے کے بجائے پتنگوں کے پیچھے بھاگتا پھرے۔" علی کی امی نے دودھ کا گلاس نروان کو پکڑاتے ہوئے پیار سے کہا تو نروان کی امی بھی ہنس پڑیں۔

(پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

(فائزہ ندیم، فیصل آباد)

کتابوں کی قدر

ایان ایک بہت ذہین بچہ تھا۔ وہ پانچویں جماعت کا طالب علم تھا اور شروع سے ہی ہر کلاس میں اوّل پوزیشن حاصل کرتا تھا۔ اسی لیے گھر اور اسکول میں ہر ایک کی توجہ کا مرکز تھا لیکن اس میں ایک بہت بُری عادت تھی۔ وہ اپنی کتابیں سنبھال کر نہ رکھتا اور نہ ہی ان کی قدر کرتا۔ ذکیہ بیگم ہر وقت اسے سمجھاتی کہ بیٹا! جو کتابوں کی قدر نہیں کرتا، وہ کبھی کام یاب نہیں ہوسکتا لیکن ایان لاپرواہی سے کہتا کہ ہماری کلاس میں ایک لڑکا زوہیب پڑھتا ہے۔ وہ کتابوں کی بہت قدر کرتا ہے۔ ہر وقت کہتا ہے کہ یہ کرو وہ نہ کرو، پھر بھی دوسرے نمبر پر ہی آتا ہے۔ "ایسے نہیں کہتے بیٹا! تم دیکھنا وہ ایک دن ضرور کام یاب ہوگا۔"

آہستہ آہستہ اسی طرح دن گزرتے گئے اور ایان اوّل پوزیشن کی خاطر محنت کرتا رہا۔ اس نے دن رات ایک کر دیے۔ اس کے تمام پیپرز ختم ہو گئے۔ اب وہ بے چینی سے نتیجے کا انتظار کرنے لگا۔ آخر نتیجے کا دن آ پہنچا۔ ایان جلدی سے اُٹھ کر اسکول جانے کی تیاری کرنے لگا۔ ذکیہ بیگم بھی خوش تھیں کہ ایان ضرور پوزیشن لے گا لیکن جب ایان اسکول سے آیا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا اور وہ رونے کو تھا کہ ذکیہ بیگم نے اسے سہارا دے کر بٹھایا اور نتیجے کا پوچھا تو اس نے روتے ہوئے بتایا کہ امی زوہیب نے اوّل پوزیشن لے لی اور میں دوسرے نمبر پر آیا ہوں۔

"لیکن اس میں رونے والی کیا بات ہے؟ میں تو تمہیں پہلے ہی سمجھاتی تھی کہ کتابوں کی قدر کرو یعنی کتابوں سے استفادہ کرو اور علم حاصل کرو۔ دیکھو تمہارا دوست زوہیب کتابوں کی کتنی قدر کرتا تھا، آج اس نے قدر کے بل بوتے پر اوّل پوزیشن حاصل کر لی اور میں تمہیں سمجھاتی ہی رہی کہ بیٹا اگر تم کتابوں کی قدر کرو گے تو یہ تمہیں علم دیں گی، ورنہ تم علم حاصل کر کے بھی لاعلم ہی رہو گے۔ اب تم وعدہ کرو کہ آئندہ کتابوں کی قدر کرو گے، ورنہ پھر زوہیب تم سے آگے نکل جائے گا۔" ذکیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایان نے وعدہ کیا کہ اب وہ ہمیشہ کتابوں کی قدر کرے گا۔ اوّل آنے کے لیے نہیں بلکہ علم حاصل کرنے کے لیے۔ ذکیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے ایان کو گلے سے لگا لیا۔

(اعزازی کہانی)

☆☆☆

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میرا نام "پاکستان" ہے۔ آپ مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں، کیوں کہ آپ سب میرے کونے کونے میں بستے ہیں اور مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں آج آپ کو اپنی آزادی کی کہانی سنا رہا ہوں۔

آزادی سے قبل میں متحدہ ہندوستان ہی کا ایک حصہ تھا، جہاں سب سے زیادہ دورِ حکومت مغلوں کا رہا۔ ان میں پہلے مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر سے لے کر آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر شامل ہیں۔ یہاں ہندو اور مسلمان ایک ساتھ رہتے تھے، مگر آہستہ آہستہ ان میں نفرتیں بڑھتی گئیں اور یہ نفرتیں دُوریوں میں تبدیل ہو گئیں۔

اس نفرت کو رنگ دکھانے کا موقع جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ملا۔ ہندوستان میں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے خلاف مسلمانوں نے مئی 1857ء میں اعلانِ بغاوت جنگ کی صورت میں کیا جو میرٹھ سے شروع ہو کر ملک کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ ہندوؤں اور چند غدار مسلمانوں کے سبب یہ جنگ ناکام رہی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے بُرے دن شروع ہو گئے۔

اس جنگ آزادی کو انگریز نے "غدر" کا نام دیا اور اس کا قصوروار مسلمان ہی گردانا گیا۔ سزا کے طور پر انہیں سرِعام پھانسی دی جانے لگی۔ کچھ کو تو کالا پانی کی سزا ملی جو دراصل جزائر انڈیمان تھا۔ اس جزیرے پر چاروں طرف پانی اور درمیان میں خشکی تھی۔ یہاں زیرِعتاب مسلمانوں کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ سب سے بڑا ظلم تو انہوں نے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے ساتھ کیا۔ اسے رنگون (موجودہ برما) میں قید کر دیا اور ان کے بیٹوں کو شہید کر دیا۔

میری کہانی میں آزادی کا باب اس وقت ہی شروع ہوتا ہے جب 1867ء میں بنارس میں ہندوؤں نے اُردو کے بجائے بھاشا زبان اور فارسی کے بجائے دیوناگری رسم الخط کے حق میں تحریک چلائی تو سر سید احمد خان کو برملا یہ اعتراف کرنا پڑا کہ "اب دونوں قومیں دل سے کسی کام میں شریک نہ ہوں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے، آگے آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ مجھے ان میں مخالفت اور نفرت ان لوگوں کے سبب بڑھتی نظر آتی ہے جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔"

یہ وقت تھا جب متحدہ ہندوستان کے مسلمان خود کو ایک ایسی اندھیری گلی میں محسوس کرتے تھے جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ ایسے میں یہ سر سید احمد خان ہی تھے جنہوں نے ان میں زندگی کی اُمنگ پیدا کی اور حوصلہ تازہ عطا کیا۔

انہوں نے مسلمانوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور انگریزی زبان سیکھنے کا مشورہ دیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے علی گڑھ میں ایک مدرسہ قائم کیا جو دو سال بعد ایم اے او کالج بن گیا۔ ان کے انتقال کے

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

بائیس برس بعد یہی کالج یونیورسٹی کا درجہ پا گیا اور پھر وہاں سے تعلیم حاصل کر کے نکلنے والے کئی مسلمان تحریک پاکستان کے رہ نما بنے۔

اسی دوران ایک انگریز لارڈ اے ہیوم نے سیاسی جماعت "کانگریس" بنائی جو دراصل ہندوؤں کے مفادات کی نگرانی کرتی تھی اور اس میں سب سے زیادہ تعداد ہندوؤں کی ہی تھی۔ یہ سب باتیں مسلمانوں میں سیاسی شعور کو پختہ کر رہی تھیں۔ انہیں محسوس ہو چکا تھا کہ اب انہیں انگریزوں کے ساتھ ہندوؤں سے بھی مفادات کی جنگ کرنا ہوگی۔

جب تک وہ خود ہمت نہیں کریں گے یہ مصیبتیں ٹلنے والی نہیں ہیں۔ وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ اس کا واحد حل اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ہے، جب ہی ہم ان سے حقوق مانگنے کے قابل ہو سکیں گے۔

میری کہانی میں 1906ء اہم سال ہے جب مسلمانوں نے اپنے حقوق کے لیے ایک پلیٹ فارم بنایا۔ یہ ایک سیاسی جماعت تھی جو ڈھاکہ میں وجود میں آئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے بننے والی یہ جماعت مسلمانوں کے حقوق کی واحد نمائندہ جماعت ثابت ہوئی۔

مسلم لیگ کے قیام سے ایک سال پہلے 1905ء میں ہندوستان کے ایک مسلمان نوجوان وکیل محمد علی جناح کانگریس میں شامل ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے کام اور جذبے سے یہ ثابت کیا کہ وہ آگے چل کر مسلمانوں کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ مسلم لیگ کے دوسرے سرگرم رہ نما سید وزیر حسن اور مولانا محمد علی جوہر لندن میں محمد علی جناح سے ملے اور انہیں مسلم لیگ میں شامل ہونے کے لیے قائل کر لیا۔

محمد علی جناح کی کوششوں سے 1915ء میں آل انڈیا مسلم لیگ اور کانگریس کا مشترکہ اجلاس بمبئی (موجودہ ممبئی) میں ہوا اور اگلے سال 1916ء میں پھر مشترکہ اجلاس ہوا، اس بار یہ شہر لکھنؤ تھا۔ محمد علی جناح کا خیال تھا کہ ہندو اور مسلمان ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ ان ہی کوششوں سے ایک معاہدہ ہوا جسے "معاہدہ لکھنؤ" کا نام دیا گیا۔ ان کوششوں کے صلے میں محمد علی جناح کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر بھی کہا گیا۔ یہی محمد علی جناح بعد میں قائداعظم کے لقب سے تاریخ کا حصہ بنے۔

عملی طور پر ہندو نہ تو مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا ارادہ رکھتے تھے اور نہ ہی انہیں ان کے جائز حقوق دینا چاہتے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ متحدہ ہندوستان میں بادشاہت کے ختم ہونے کے بعد ہندو مضبوط ہو رہے تھے اور کیوں نہ ہوتے وہ اکثریت (زیادہ تعداد) میں تھے جبکہ مسلمان اقلیت (کم تعداد) میں تھے۔ اب ایک بار پھر ہندوؤں اور مسلمانوں میں نفرتیں اور دوریاں بڑھنے لگیں۔ مسلمان اپنے حقوق کو حاصل کیے بغیر کسی بات پر راضی نہ تھے۔

1928ء میں نہرو رپورٹ منظر عام پر آئی جس میں مسلمانوں کے حقوق کو یکسر نظر انداز کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں مارچ 1929ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے مشہور چودہ نکات پیش کیے جس میں مسلمانوں کے حقوق کی نشان دہی کی گئی تھی اور مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ حقوق لیے بغیر کسی بات پر راضی نہ ہوں گے۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین مسائل کے حل کے لیے برطانوی حکومت نے لندن میں تین گول میز کانفرنسوں کا انعقاد کیا جو بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ 1939ء میں قائداعظم محمد علی جناح لندن سے واپس ہندوستان آئے اور مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے اپنی جدوجہد کو تیز تر کر دیا۔

مارچ 1940ء وہ عظیم تاریخ ساز مہینہ تھا جس میں لاہور کے منٹو پارک میں مسلم لیگ کا 27 واں اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس کے دوران قرارداد لاہور پیش کی گئی، جسے ہندو پریس نے اگلے روز شور مچا کر قرارداد پاکستان کا نام دے دیا۔ یہ قرارداد اگلے روز ہی اکثریت رائے سے منظور ہو گئی۔ اس قرارداد کی منظوری کے بعد مسلمانوں میں آزادی کی تڑپ پیدا ہو گئی، ورنہ اس سے قبل تو مسلمانوں کا مطالبہ حقوق لینے کا تھا۔ قرارداد میں پہلی بار ایک الگ ملک کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ لارڈ منٹو کے نام سے منسوب اس پارک کو بعد میں علامہ اقبال کے نام سے اقبال پارک کا نام دیا گیا۔

ماہ و سال آگے بڑھتے گئے اور مسلمانوں کی جدوجہد میں تیزی آ گئی۔ بالآخر وہ عظیم لمحہ آن پہنچا جب میں، یعنی آپ کا پیارا پاکستان ایک آزاد ملک کے طور پر دُنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔ یہ 14 اگست 1947ء کی رات تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں مجھے آزادی ملی۔ آج آپ میری آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ ہمیں ہر وقت اس آزادی کی نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہنا چاہیے اور آزادی کی قدر بھی کرنی چاہیے کیوں کہ آزادی طویل جدوجہد مانگتی ہے۔

آپ سب میرا کل ہیں۔ خوب دل لگا کر تعلیم حاصل کریں اور اخلاق کی دولت بھی سمیٹیں۔ علم اور اخلاق ہی وہ طاقتیں ہیں جن سے دُنیا فتح ہوتی ہے۔ آپ سب میرا کل ہیں جو دُنیا کے فاتح کہلائیں گے۔ ☆☆

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

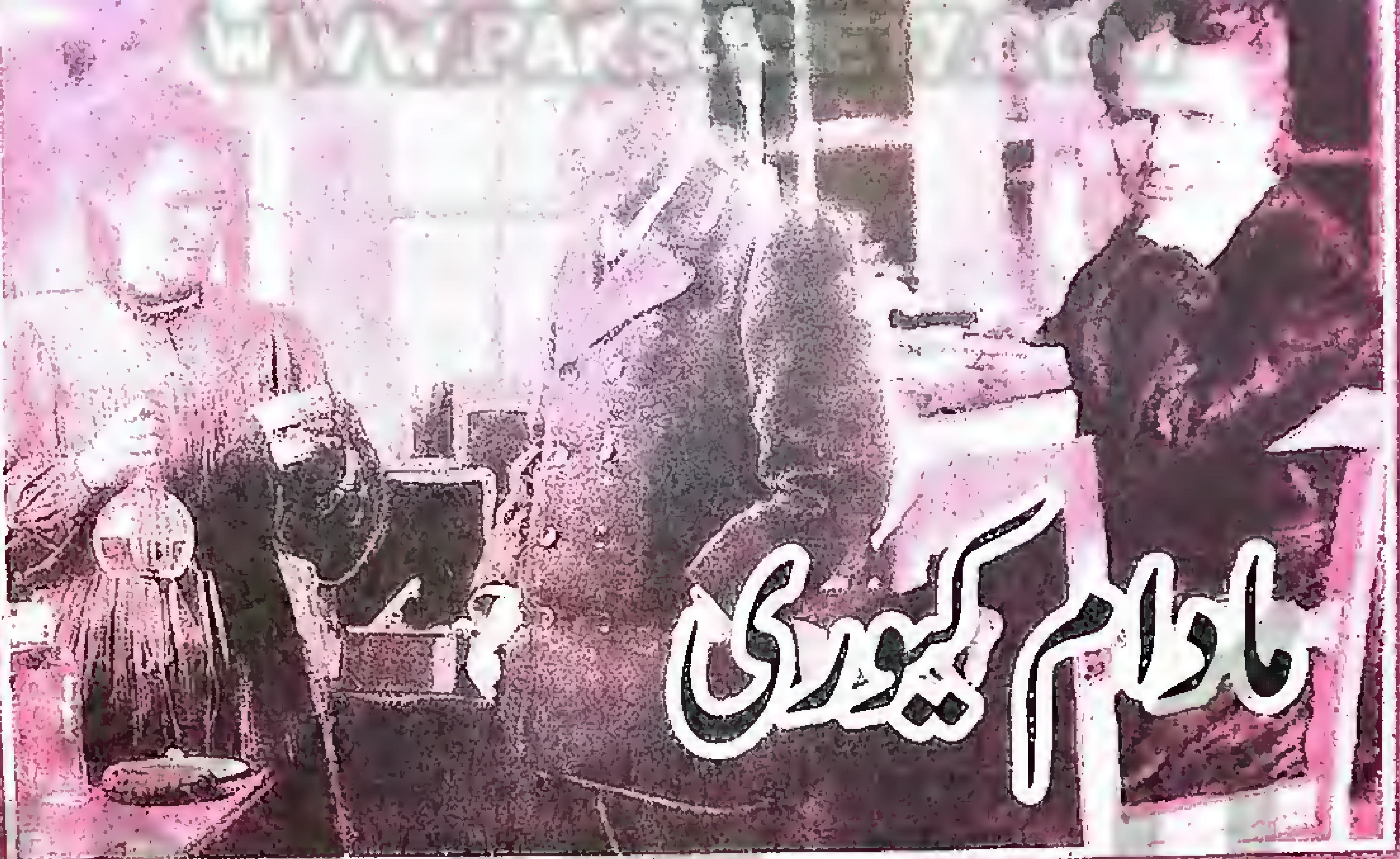

مادام کیوری

پولینڈ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک غریب لڑکی رہتی تھی۔ اس کا نام مانیاس کلوڈو وسکا تھا۔ وہ ٹیوشن پڑھا کر گزر بسر کرتی تھی۔ 19 برس کی عمر میں وہ ایک امیر خاندان کی دس سال کی بچی کو پڑھاتی تھی۔ بچی کا بڑا بھائی اس میں دل چسپی لینے لگا۔ وہ بھی اس کی طرف مائل ہوگئی۔ چناں چہ دونوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا لیکن جب لڑکے کی ماں کو پتا چلا تو اس نے آسمان سر پہ اُٹھا لیا۔ اس نے مانیکا کو کان سے پکڑا اور پورچ میں لا کھڑا کیا۔ اس نے آواز دے کر سارے نوکر جمع کیے اور چلّا کر کہا۔ ”دیکھو یہ لڑکی جس کے پاس پہننے کے لیے صرف ایک فراک ہے جس کے جوتوں کے تلووں میں سوراخ ہے اور جسے 24 گھنٹے میں صرف ایک بار اچھا کھانا نصیب ہوتا ہے اور وہ بھی ہمارے گھر سے، یہ لڑکی میرے بیٹے کی بیوی بننا چاہتی ہے۔ یہ میری بہو کہلانے کی خواہش پال رہی ہے۔“ تمام نوکروں نے قہقہہ لگایا اور خاتون دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔ مانیا کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے اُوپر تیزاب کی بالٹی اُلٹ دی ہو۔ وہ توہین کے شدید احساس میں گرفتار ہوگئی اور اس نے اسی پورچ میں کھڑے کھڑے فیصلہ کیا کہ وہ زندگی میں اتنی عزت، اتنی شہرت کمائے گی کہ پورا پولینڈ اس کے نام سے پہچانا جائے گا۔“

یہ 1819ء تھا وہ پولینڈ سے پیرس آئی۔ اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور فزکس پڑھنا شروع کر دی۔ وہ دن میں بیس گھنٹے پڑھتی تھی۔ اس کے پاس پیسہ دھیلا تھا نہیں، جو کچھ جمع پونجی تھی وہ اسی میں گزر بسر کرتی تھی۔ وہ روز ایک شلنگ خرچ کرتی تھی۔ اس کے کمرے میں بجلی، گیس اور کوئلوں کی انگیٹھی تک نہیں تھی۔ وہ برفیلے موسموں کی راتیں کپکپا کر گزارتی تھی۔ جب سردی برداشت سے باہر ہو جاتی تو وہ اپنے سارے کپڑے نکالتی تھی۔ آدھے بستر پر بچھاتی تھی اور آدھے اوپر اوڑھ کر لیٹ جاتی تھی۔ پھر بھی گزارہ نہ ہوتا تو وہ اپنی ساری کتابیں حتیٰ کہ اپنی کرسی تک اپنے اُوپر گرا لیتی تھی۔ پورے پانچ برس اس نے ڈبل روٹی کے سوکھے ٹکڑوں اور مکھن کے سوا کچھ نہ کھایا۔ نقاہت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ اپنے بستر پر بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جاتی تھی لیکن جب ہوش آتا تھا تو وہ اپنی بے ہوشی کو نیند قرار دے کر خود کو تسلی دے لیتی تھی۔ وہ ایک روز کلاس میں بے ہوش ہوگئی۔ ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد کہا، آپ کو دوا کی بجائے دودھ کے ایک گلاس کی ضرورت ہے۔

اس نے یونیورسٹی ہی میں پائری نام کے ایک سائنس دان سے شادی کر لی تھی۔ وہ سائنس دان بھی اسی کی طرح مفلوک الحال تھا۔ شادی کے وقت دونوں کا کل اثاثہ دو سائیکل تھے۔ وہ غربت کے

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اسی عالم کے دوران پی ایچ ڈی تک پہنچ گئی۔ مانیا نے پی ایچ ڈی کے لیے بڑا دل چسپ موضوع چنا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ دُنیا کو بتائے گی کہ یورینیم سے روشنی کیوں نکلتی ہے۔ یہ ایک مشکل بلکہ ناممکن کام تھا لیکن وہ اس پر جت گئی۔ تجربات کے دوران اس نے ایک ایسا عنصر تلاش کر لیا جو یورینیم کے مقابلے میں 20 لاکھ گنا روشنی پیدا کرتا ہے اور اس کی شعاعیں لکڑی، پتھر، تانبے اور لوہے غرض دُنیا کی ہر چیز سے گزر جاتی ہے۔ اس نے اس کا نام ریڈیم رکھا۔ یہ سائنس میں ایک بہت بڑا دھماکہ تھا۔ لوگوں نے ریڈیم کا ثبوت مانگا۔ مانیا اور پائری نے ایک خستہ حال احاطہ لیا جس کی چھت سلامت تھی اور نہ ہی فرش اور وہ چار برس تک اس میں لوہا پگھلاتے رہے۔ انہوں نے تن تنہا آٹھ ٹن لوہا پگھلایا اور اس میں سے مٹر کے دانے کے برابر ریڈیم حاصل کی۔ یہ چار سال ان لوگوں نے گرمیاں ہوں یا سردیاں اپنے اپنے جسموں پر جھیلیں۔ بھٹی کے زہریلے دھوئیں نے مانیا کے پھیپھڑوں میں سوراخ کر دیئے لیکن وہ کام میں جتی رہی۔ اس نے ہار نہ مانی، یہاں تک کہ پوری سائنس اس کے قدموں میں جھک گئی۔

یہ ریڈیم کینسر کے لاکھوں کروڑوں مریضوں کے لیے زندگی کا پیغام لے کر آئی۔ ہم آج جسے شعاعوں کا علاج کہتے ہیں، یہ مانیا ہی کی ایجاد تھی۔ اگر وہ لڑکی چار برس تک لوہا نہ پگھلاتی تو آج کینسر کے تمام مریض مر جاتے۔ یہ لڑکی دُنیا کی واحد سائنس دان تھی جسے زندگی میں دو بار نوبل پرائز ملا۔ جس کی زندگی پر 30 فلمیں اور سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور جس کی وجہ سے آج سائنس کے طالب علم پولینڈ کا نام آنے پر سر سے ٹوپی اُتار دیتے ہیں۔ دُنیا پولینڈ کی اس مفلوک الحال، بے بس اور بے کس لڑکی کو مادام کیوری کے نام سے جانتی ہے۔ جب دُنیا نے مادام کیوری کو اس ایجاد کے بدلے اربوں ڈالر کی پیش کش کی تو اس نے کہا: ”میں یہ دریافت صرف اس کمپنی کو دوں گی جو پولینڈ کی ایک بوڑھی عورت کا مفت علاج کرے گی۔“ جی ہاں! وہ امیر پوش عورت جس نے کبھی کیوری کو کان سے پکڑ کر باہر نکال دیا تھا وہ اس وقت کینسر میں مبتلا ہو چکی تھی اور وہ اس وقت بستر مرگ پر پڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ جب کسی سے راضی ہوتا ہے تو اسے دولت سے نہیں نوازتا بلکہ اسے ادراک دیتا ہے۔

☆☆☆

مذہب سے روشناسی کا عملی طریقہ

بچوں میں صحیح مذہبی تصور کیسے پیدا کیا جائے؟ یہ بہت مشکل کام ہے۔ حیاتِ جاوداں، نیکی اور بدی، خدا اور روح کے تصورات بڑی مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں۔ ہم اپنے حواسِ خمسہ سے ان کا پورا ادراک نہیں کر سکتے۔ چوں کہ بچے کا علم تمام تر حواسِ خمسہ ہی کا مرہون ہوتا ہے، اس لیے اسے مذہبی تصورات کے سمجھنے میں کافی دقت پیش آتی ہے۔ ہمارے علماء مذہبی تصورات کو اس قدر مشکل اور مبہم انداز میں پیش کرنے کے عادی ہیں کہ بچے تو درکنار، بڑوں کو بھی سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ اکثر سننے والے تاویل کے پھندوں میں اُلجھ کر رہی سہی فہم و ادراک بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض علماء کے گروہی تعصب اور اخلاقی تنگ نظریاں تو مذہبی تصور سمجھنے میں زیادہ کٹھن مشکلیں کھڑی کر دیتے ہیں۔

بچوں کو مذہب سے واقف کرانے کے لیے نظری نہیں، بلکہ عملی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر آپ کہیں کہ ”خدا عالم الغیب ہے۔ وہ نہ مکاں میں ہے نہ زماں میں“ تو بچے ایسے مشکل سے سمجھ میں آنے والے خدا سے دن بدن دُور ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کی بجائے انہیں قصے کہانیوں اور روزمرہ کے تجربوں کی روشنی میں یہ سمجھنے میں مدد دیجیے کہ اس کائنات کا ایک مہربان نگہبان ہے، جسے خدا کہا جاتا ہے۔ اسے اپنے بندوں سے بے پناہ محبت ہے۔ مثال کے طور پر کسی بھوک سے دم توڑتے ہوئے آدمی کا دل چسپ قصہ سنایئے، جسے کسی راہی نے کھانا کھلا کر مرنے سے بچایا ہو۔ پھر کہیے کہ خدا مصیبت میں گرفتار بندوں کی اس طرح مدد کرتا ہے۔

بچے کو صبح سیر کے لیے ساتھ لے جایا کریں۔ قدرتی مناظر سے اس کو دل چسپی ہو جائے تو اسے بتائیں کہ بہتے ہوئے دریا، بلند پہاڑ، سرسبز درخت چہچہاتے ہوئے پرندے اور طرح طرح کی بے شمار چیزیں اور جان دار بھلا ہم کیسے بنا سکتے ہیں؟ انہیں لہلہاتے ہوئے کھیت دکھایئے اور کہیے کہ انہیں کسی عظیم ہستی نے پیدا کیا ہوگا۔ جب بچہ خود ہی پوچھے کہ وہ کون ہے؟ تو ضرور سمجھایئے کہ یہ سب خدا ہی کی نشانیاں ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی تعلیم سے بچے کو سائنس اور مذہب دونوں سے دل چسپی ہوتی چلی جائے گی۔ گھر میں جب کوئی معقول مذہبی رسم ادا ہونے لگے تو بچوں کو اس میں مناسب حصہ لینے دیجیے تاکہ وہ مذہب کو صرف بڑوں کا اجارہ ہی نہ تصور کیے رکھیں۔

بچہ مذہبی زندگی کے جذباتی پہلوؤں کی تعلیم کیسے حاصل کرتا ہے؟ کن مذہبی جذبات کے مناسب اظہار کو اہمیت دینی چاہیے؟ خدا کی محبت، اخوت اور رحم، مذہبی صداقتوں پر ایمان کا جذبہ، فلاحِ انسانی کی قوی امید، مذہب کے نمایاں جذبے ہیں۔ نیکی کی طرف رغبت اور بدی سے نفرت کی تعلیم بہت ضروری ہے مگر احتیاط رکھنی چاہیے کہ بچہ کہیں بدی سے نفرت کرتا کرتا بدوں سے عداوت، حسد، بغض اور کینہ کے جذبات میں اُلجھ کے نہ رہ جائے۔ اس لیے ابتدائی عمر میں اسے رفاقت اور تعاون کی خصوصی تربیت دینی چاہیے تاکہ اس میں دوسروں کے کام آنے اور دوستی نبھانے کا شعور پیدا ہو۔ منظم کھیلوں اور باجماعت نماز میں شرکت کی تربیت سے یہ مقصد اچھی طرح پورا ہو سکتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

مدیر تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

اُمید ہے کہ خیریت سے ہوں گے۔ آخر آپ کو ہونا بھی کیا ہے، ہم جو دن رات آپ کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ ویسے تو آپ بہت اچھے ہیں مگر ہمیں آپ سے صرف ایک شکایت ہے کہ آپ ہمارے علاقے میں بہت دیر سے آتے ہیں۔ کیا بات ہے؟ ہم سے کون سی کوتاہی ہوگئی ہے جو آپ ہمیں سب سے آخر میں ملتے ہیں۔ ہم اپنی ہر غلطی کی معافی چاہتے ہیں۔ ہماری آپ سے دو گزارشیں ہیں جن میں سے اگر آپ ایک بھی قبول کر لیں گے تو تہہ دل سے آپ کے مشکور ہوں گے۔ پہلی گزارش یہ ہے کہ برائے مہربانی آپ ایبٹ آباد جلدی تشریف لایا کریں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر دوسری گزارش پر عمل کریں کہ اپنی انعامی تاریخ کو 10 سے بڑھا کر 15 تک کر دیں تاکہ ہمیں بھی شرکت کا موقع مل سکے۔ شکریہ!

(زوبیا زخرف، ایبٹ آباد)

☆ آپ کی پیار بھری شکایت کو دُور کرنے کی کوشش کریں گے۔

السلام علیکم، ایڈیٹر صاحبہ! کیسی ہیں آپ؟ میں مسلسل دو سال سے تعلیم و تربیت کی قاری ہوں مگر خط لکھنے کی جرأت پہلی بار کی ہے۔ جولائی کے شمارے کی تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، خصوصاً ایمان کی قوت، بے چاری کرن، حاتم طائی اور اچھائی اور بُرائی بہت اعلیٰ تھیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ آئندہ بھی اچھی اچھی کہانیاں شائع کریں گے جو سبق آموز بھی ہوں گی اور معلوماتی بھی۔ آخر میں ایک گزارش ہے کہ آپ مغلوں کے سنہری دور کی کہانیاں شائع کیا کریں۔ میری طرف سے آپ سب کو عیدالفطر اور 14 اگست کی مبارک باد ہو۔

(رومیسہ زینب چوہان، راولپنڈی کینٹ)

☆ آپ کی تجویز پر غور کریں گے۔ خط لکھنے کا بہت شکریہ!

السلام علیکم! میں آپ کی نئی قاریہ ہوں، کیا آپ مجھے خوش آمدید نہیں کہیں گے؟ تعلیم و تربیت بہترین رسالہ ہے۔ کھٹر کھاند گروپ کا سلسلہ بہت اچھا ہے۔ پڑھ کر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں۔ کہانیاں حاتم طائی، ماسٹر جی اور نیکی بہت پسند آئیں۔ ناول بہترین جا رہا ہے۔ میرا خط ضرور شائع کیجیے گا۔ میں معلومات عامہ، لطائف اور کچھ تحریریں بھیج رہی ہوں۔ پلیز، انہیں ضرور شائع کریں۔ اُمید ہے آپ کے معیار پر پورا اُتریں گی۔ ردی کی ٹوکری کی نذر نہ کیجیے گا۔

تیرے معیار اور وقار کو بتا میں تشبیہ کیوں کر دوں
نہ ہے کسی رسالے میں معیار ایسا نہ وقار ایسا
اس بار بھی تھا تعلیم و تربیت سپرہٹ
کر نہیں سکتا اس کو کوئی اور رسالہ ہٹ
آتا ہے یہ ہمارے معیار پر بالکل فٹ
ہے یہ علم و معلومات کی پوری باسکٹ

(خدیجہ سلمان بٹ، گوجرانوالہ)

ڈیئر ایڈیٹر صاحبہ! جولائی 2015ء کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ تمام کہانیاں اپنے عروج پر تھیں۔ آیئے مسکرایئے پڑھ کر تو ہنسی چھوٹ گئی۔ آپ خوف ناک کہانیاں بھی ضرور شائع کریں۔ آپی! کیا میں اپنے علاقے "وادیٔ سون سکیسر" کے متعلق کچھ لکھ کر بھیج سکتی ہیں۔ ہمارا علاقہ بہت ہی خوب صورت اور سرسبز و شاداب ہے۔ اگر شائع کرنی ہوئی تو مجھے خط کے ذریعے ضرور بتا دیجیے گا۔ پھر میں وادیٔ سون کی دو تین تصویریں بھی بھیج دوں گی۔ وہ بھی مضمون کے ساتھ لگا دیجیے گا۔ میری طرف سے تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم اور اس کے قارئین کو عیدالفطر مبارک ہو۔

(مریم نایاب، نوشہرہ خوشاب)

☆ آپ وادیٔ سون سکیسر کے متعلق مضمون ارسال کریں۔

محترمہ ایڈیٹر صاحبہ! آپ اور آپ کی پوری ٹیم کو السلام علیکم اور عیدالفطر مبارک ہو۔ جولائی کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں بہترین تھیں۔ زندہ لاش ناول بہت ہی دلچسپ سلسلہ ہے۔ اوجھل خاکے، مختصر مختصر، کھوج لگایئے اور بلاعنوان بہت ہی اچھے سلسلے ہیں۔ میں پانچ سال سے تعلیم و تربیت کا خاموش قاری ہوں اور پہلی مرتبہ خط لکھ رہا ہوں، شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں۔ کہانیاں

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

بھیجنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے، رہنمائی فرمائیں۔

(حافظ محمد مبشر یونس، فیصل آباد)

☆ آپ کہانیاں بھیجیں اور رابطہ بھی کریں۔

مجھے تعلیم و تربیت پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ جب یہ رسالہ گھر آتا ہے تو میں بہت خوش ہوتی ہوں۔ یہ میرا پہلا خط ہے۔ آپ بھی لکھیے میں کہانی 'اب پچھتائے کیا ہوت.....' بھیج رہی ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ میری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو ترقی عطا فرمائے۔ (آمین!) میں اپنے خط کا اختتام اس دعا سے کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے باقی نمائندوں کو لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین! (مریم اعجاز، لاہور)

پیارے انکل کیسے ہیں؟ ہم تو آپ کے بہت بڑے دوست ہیں۔ مہینہ گزرنے سے پہلے ہی ہم بے صبری سے انتظار شروع کر دیتے ہیں کہ نیا شمارہ کب آئے گا۔ یہ شمارہ ہمیں بہت دیر سے ملا ہے۔ اس لیے جواب میں ذرا سی تاخیر معاف فرمایئے گا۔ (محمد اواب خالد، لاہور)

یہ میرا دوسرا خط ہے۔ اُمید ہے شائع ضرور ہوگا۔ تعلیم و تربیت ایک ایسا پودا ہے جس کی شاخوں نے اس قوم کے بچوں کو سنبھال رکھا ہے۔ میں اس دفعہ بہت کچھ بھیج رہی ہوں۔ پہلے بھی 'آپ بھی لکھیے' کے لیے بہت کہانیاں بھیج چکی ہوں۔ جواب ضرور دیجیے گا۔ بہت ساری دعائیں آپ کے لیے۔ (شفق فاطمہ، راول پنڈی)

☆ آپ فون پر رابطہ کریں۔

ڈیئر ایڈیٹر صاحبہ! کیسی ہیں آپ؟ جولائی کا شمارہ زبردست تھا۔ خاص طور پر ماسٹر جی، نیکی، بے چاری کرن، نفرت، محاورہ کہانی، ایمان کی قوت، مختصر مختصر، پیارے اللہ کے پیارے نام، آیئے مسکرایئے، دیٹ لفٹنگ، روہنگیا، میری بیاض سے، افطار پارٹی، اچھائی اور بُرائی، محترمہ فاطمہ جناح اچھی کہانیاں تھیں۔

(ایمان فاطمہ، ابرار الحق، راجہ جنگ)

میں پچھلے دو سال سے تعلیم و تربیت کا مطالعہ کر رہا ہوں لیکن ایک مرتبہ بھی خط یا تحریریں نہیں بھیجیں ہیں۔ پہلی بار بھیج رہا ہوں۔ پلیز! شائع کر لیجیے گا۔ ہمارے گھر میں یہ رسالہ بہت شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ جون کا شمارہ ٹاپ پر تھا۔ بہارِ رمضان، کھٹ کھاند گروپ، ایک کے دس اور زندہ لاش بہترین کہانیاں تھیں۔ تمام سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ اگر آپ نے میرا خط شائع کیا تو میرے والدین

نہیں مقام کی خوگر طبیعتِ آزاد
ہوائے سیر مثالِ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر
اقبالؒ (ضربِ کلیم)

اور رشتہ داروں کو بہت خوشی ہوگی۔ پلیز شائع کیجیے گا۔

ستاروں میں ستارہ تعلیم و تربیت ہمارا
پیاروں میں پیارا تعلیم و تربیت ہمارا
تعلیم و تربیت زندہ باد تعلیم و تربیت پائندہ باد

(سید محمد عثمان نفیس، گوجرانوالہ)

میرا نام حسیمہ ہے۔ میں نو سال کی ہوں اور چوتھی جماعت کی طالبہ ہوں۔ میں تعلیم و تربیت شوق سے پڑھتی ہوں۔ جولائی کا رسالہ بہت عمدہ تھا۔ خاص طور پر بے چاری کرن، پیارے اللہ کے پیارے نام، نیکی اور ماسٹر جی بہت اعلیٰ تھیں۔ کھٹ کھاند گروپ اور سلسلہ وار ناول زندہ لاش نے تو رسالے کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مختصر مختصر، کھوج لگایئے اور اوجھل خاکے بہت اچھے سلسلے ہیں، انہیں جاری رکھیں۔ آیئے مسکرایئے پڑھ کر ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔ میرا یہ خط ردی کی ٹوکری کی زینت نہ بنے، میں ناراض ہو جاؤں گی۔ اللہ تعلیم و تربیت کو دن دگنی اور رات چگنی ترقی دے۔ (آمین!)

(حسیمہ چوہدری، ساہی وال)

ان ساتھیوں کے خطوط بھی بڑے مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

رابعہ وحید، بھکر۔ فضہ سکندر، مریم سکندر، سرگودھا۔ تقویٰ خلیق، نور الرحمٰن، واہ کینٹ۔ سندرہ ہادیہ مسعود، علی عیش، گڑھا موڑ۔ محمد عبداللہ ایوب، جہلم۔ نجر نادر، جھنگ صدر۔ محمد قمر الزمان، خوشاب۔ آمنہ سعید، موچھ۔ محمد مصحف الحسن، پہاڑ پور۔ محمد احمد، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد عمیس، ڈیرہ غازی خان۔ مومنہ شہزاد، ایمان فاطمہ، مریم رضوان، مقدس چوہدری، راول پنڈی۔ انیقہ احسان، نوریہ مدثر، سیال کوٹ۔ محمد عمر نفیس، سباء شوکت، محمد عرفان آفریدی، گوجرانوالہ۔ کشف جاوید، فیصل آباد۔ عشوا شکیل، عبدالجبار روی، محمد حسن محمود، محمد افضل انصاری، سید عمیر ظفر، لاہور۔ منزا اکرم صدیقی، ہرنولی۔ محمد عمیر علی، راول پنڈی۔ حرا سعید شاہ، چوک گروٹ۔ دعا گل سید، چار سدہ۔ ہما ثانیہ ارشد، ماہ نور مشتاق، گوجرانوالہ۔ وجیہہ اعزاز اللہ، پشاور۔ طوبیٰ جاوید انصاری، بہاول نگر۔ فتح محمد شارق، نوشہرہ خوشاب۔ احسن آفاق، کراچی۔ بینش شفیق، سیال کوٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہاتھی کا بچہ

احمد عدنان طارق

پیارے بچو! بہت مدت پہلے ہاتھیوں کی سونڈ نہیں ہوا کرتی تھی۔ ان کے منہ پر ایک بڑے بڑے نتھنوں والی کالی ناک تھی جو اس طرح لٹکتی رہتی تھی جیسے کوئی بڑا سیاہ جوتا لٹک رہا ہو جسے وہ اِدھر اُدھر تو گھما سکتے تھے مگر اس ناک سے کوئی چیز نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ تب ایک ہاتھی کا بچہ تھا جس کا نام جمبو تھا جو ہر وقت معلومات اکٹھی کرنے کی جستجو میں رہتا تھا۔ یعنی وہ جس سے بھی ملتا اس سے سوالات پوچھنے کی بھرمار کر دیتا۔

جمبو افریقہ میں رہتا تھا اور پورے افریقہ میں اس کے سوالات پوچھنے کی عادت مشہور تھی۔ ایک دن اس نے اپنی منہ بولی خالہ شتر مرغ سے پوچھا کہ اس کی دُم پر اتنے تھوڑے پَر کیوں ہیں؟ جواب میں اس کی لمبی تڑنگی خالہ نے اپنے پنجے سے اسے ایک تھپڑ رسید کیا۔ ایک دن ہاتھی کے بچے جس کا نام جمبو تھا، نے اپنے منہ بولے لمبے تڑنگے ماموں زرافے سے پوچھا کہ اس کے جسم پر ٹریفک کی لکیریں کیوں ہیں؟ ماموں زرافے نے بھی جواب میں اپنے گھر سے اسے ایک تھپڑ رسید کر دیا لیکن ان تھپڑوں کے باوجود اس کی طبیعت کا تجسس کم نہیں ہوا۔ اس نے اپنی بہت چوڑی چکلی اور بھاری بھر کم چچی دریائی بھینسے سے سوال کیا کہ اس کی آنکھیں سرخ کیوں رہتی ہیں؟ اس کے جواب میں بھی اس کی چوڑی چکلی چچی نے اسے اپنے بہت چوڑے کھر سے ایک ضرب رسید کی۔ پھر ایک دفعہ اس نے اپنے بالوں سے بھرپور چچا بندر سے پوچھنا چاہا کہ زیادہ خربوزے پھیکے کیوں ہوتے ہیں؟ تو چچا نے اپنا بالوں سے اَٹا ہاتھ اس پر اُٹھا دیا لیکن جمبو کا تجسس اتنی مار کے باوجود کم نہ ہوا۔ وہ جو چیز بھی پہلی بار دیکھتا اس کے متعلق سوال کرنا شروع کر دیتا۔ ایک دن وہ اپنے خاندان یعنی ہاتھیوں کے بیچ بیچ جا رہا تھا کہ اس نے سب سے ایک ایسا سوال کیا جو اس نے ان سے پہلے کبھی کسی سے نہیں پوچھا تھا۔ اس نے پوچھا: ''مگرمچھ رات کے کھانے میں کیا کھاتے ہیں؟'' سب نے اس کا سوال سن کر پہلے تو اسے چپ رہنے کی تلقین کی اور پھر معمول کے مطابق سوال کے جواب میں سب نے اس کی خاصی دیر دھنائی کی۔ اس نے ہاتھیوں کے ریوڑ سے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

ایک دن راستے میں اسے ایک کھٹ بڑھئی ایک درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا ملا۔ جمبو نے اس کو بتایا۔ ''میرے والد نے میری پٹائی کی ہے، میری والدہ نے بھی۔ میری تمام خالاؤں اور خالوؤں نے بھی لیکن پھر بھی میری خواہش ہے کہ مجھے اس سوال کا جواب مل سکے کہ مگرمچھ رات کے کھانے میں کیا کھاتے ہیں۔'' کھٹ بڑھئی نے اسے بتایا کہ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے اسے گھنے جنگل سے گزر کر لیمپوپو ندی کے کنارے جانا ہو گا۔ اگلی صبح اس تجسس بھرے

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

بچے نے لیمپوپو ندی تک جانے کی تیاری کی۔ اس نے راستے کے لیے سو کیلے (سرخ رنگ) سو گنے (ہلکے جامنی رنگ) ستر خربوزے (ہلکے سبز رنگ) لیے اور پھر سارے خاندان کو خدا حافظ کہتے ہوئے بتایا کہ وہ لیمپوپو ندی کے کنارے جا رہا ہے۔ ظاہر ہے یہ خبر سن کر جمبو نے ایک دفعہ پھر سب سے مار کھائی۔ مار کھا کر وہ روانہ ہوا تو اسے کوئی حیرانی نہیں تھی کیوں کہ یہ اب اس کے لیے معمول کی بات ہو چکی تھی۔ وہ چلتا ہوا گیریلی پہنچا، پھر کھاما شہر میں اور پھر کھاما شہر سے شمال کی طرف روانہ ہوا۔

راستے میں شاید ہی کوئی لمحہ ہو گا جب اس نے خربوزہ نہ کھایا ہو۔ آخر کار وہ لیمپوپو ندی کے کنارے پہنچ گیا لیکن یہاں بچو آپ کو بتانا ضروری ہے کہ جمبو نے ابھی تک اپنی زندگی میں کوئی مگرمچھ نہیں دیکھا تھا۔ یہ اس کا تجسس ہی تھا جو اسے یہاں کھینچ لایا تھا۔ یہاں آ کر وہ سب سے پہلے ایک چٹان سے لپٹے ہوئے دو رنگ کے اژدہا سے ملا۔ جمبو نے اسے مودبانہ انداز میں پوچھا: ”جناب عالی! کیا آپ کسی ایسی چیز سے واقف ہیں جسے لوگ مگرمچھ کہتے ہوں۔“

”تم مجھ سے سوال کر رہے ہو کہ کیا میں نے مگرمچھ دیکھا ہے؟“ اژدھا نے اپنی سسکاری بھری آواز میں پوچھا تو جمبو نے پھر مودبانہ گزارش کی۔ ”اور مجھے یہ بھی بتایئے کہ مگرمچھ رات کے کھانے میں کیا کھاتا ہے۔“ یہ سن کر دو رنگے اژدھا نے چٹان کے گرد لپٹے اپنے بل جلدی سے کھولے اور زور سے جمبو کے منہ پر اپنی زبردست دُم سے ایک تھپڑ رسید کیا تو جمبو اس دفعہ واقعی حیرانی سے بولا: ”میری ماں، میرے باپ، میری خالہ، میرے خالو سب نے میرے سوالوں کے جواب میں مجھے اسی قسم کے تھپڑ رسید کیے تھے۔ یہ اتفاق ہے کیوں کہ مجھے لگتا ہے کہ اس دفعہ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے دو رنگے اژدھے کو خدا حافظ کہا اور اسے دوبارہ چٹان کے گرد لپٹنے میں مدد کی اور پھر ندی کے کنارے خربوزے کھاتا آگے روانہ ہو گیا۔ اس بار پر وہ ذرا سا شش و پنج میں ضرور تھا، حالاں کہ اس کے لیے یہ معمول کی بات تھی۔ کچھ دور جا کر اسے ایسا لگا جیسے ندی کے کنارے لکڑی کا بہت بڑا سا ٹکڑا پڑا ہوا ہے مگر وہ لکڑی کا ٹکڑا نہیں تھا بلکہ ایک مگرمچھ تھا۔

پیارے بچو! مگرمچھ نے جمبو کو ایک آنکھ کھول کر دیکھا تو جمبو نے اسے پوچھا: ”جناب کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کسی مگرمچھ کو دیکھنے کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ یہ سن کر چالاک مگرمچھ نے اپنی دوسری آنکھ بھی کھول دی۔ وہ کیچڑ میں لت پت تھا۔ اس نے اپنی دُم کیچڑ میں ہلائی تو جمبو بڑے مودبانہ طریقے سے تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا۔ اب وہ ہر کسی کی دُم سے بہت ڈرتا تھا کیوں کہ اس کے سوالوں کے جواب میں اسے اسی دُم کے تھپڑ لگتے تھے۔ مگرمچھ نے پچکار کر کہا: ”بیٹا! ذرا نزدیک آ کر مجھے بتاؤ کہ تم ایسے سوال کیوں پوچھتے ہو؟“ ہمدردی کے یہ الفاظ سن کر جمبو نے اسے اپنی مار دھاڑ سے بھرپور کہانی سنانی شروع کر دی جس کے آخر میں دو رنگے اژدھے کی دُم سے پڑی مار کا ذکر تھا۔ مگرمچھ نے دوبارہ جمبو کو یقین دلاتے ہوئے مگرمچھ کے آنسو بہانا شروع کر دیے اور اسے کہنے لگا: ”ننھے ذرا نزدیک آ جاؤ کیوں کہ میں ہی مگرمچھ ہوں۔“ جمبو کا تو خوشی اور حیرت کے مارے سانس بند ہونے لگا۔ وہ ندی کے کنارے دو زانو جھک کر مگرمچھ سے کہنے لگا: ”تو آپ ہی وہ مگرمچھ ہو جس کو دیکھنے کا مجھے اتنے دنوں سے اشتیاق تھا۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ آپ شام کے کھانے میں کیا کھاتے ہو؟“ مگرمچھ نے جمبو کو قریب بلایا جیسے اس کے کان میں سرگوشی کرنا چاہتا ہو۔ جیسے ہی جمبو نے اپنا سر مگرمچھ کے بڑے دانتوں والے جبڑے کے نزدیک کیا۔ مگرمچھ نے اسے اس کی چھوٹی سی ناک سے دبوچ لیا جو اس وقت تک صرف ایک جوتے کی صورت کی تھی۔ مگرمچھ نے اسے کہا کہ آج اس کا پروگرام ایک ہاتھی کے بچے کو کھانے کا ہے۔ جمبو مگرمچھ کی اس حرکت سے بہت ناراض تھا۔ اس نے مگرمچھ کے منہ میں بولتے ہوئے کہا: ”مجھے چھوڑ دو، تم مجھے بہت تکلیف پہنچا رہے ہو۔“ اسی وقت دو رنگا اژدھا بھی ندی کے کنارے آ نکلا اور اس نے کہا: ”میرے ننھے دوست! اگر اب بھی تمہیں نہیں معلوم کہ کیا کرنا ہے تو میں تمہیں بتاتا ہوں۔ جتنی زور سے اپنی ناک اس مگرمچھ سے چھڑوا سکتے ہو، چھڑواؤ۔ ورنہ یہ تمہیں کھینچ کر پانی میں لے جائے گا۔“ یہ سن کر ننھا ہاتھی بیٹھ گیا اور اپنی ناک زور سے کھینچنے لگا اور دوسری طرف مگرمچھ اپنی پوری طاقت اسے پانی میں لے جانے کے لیے صرف کر رہا تھا۔ یکبارگی جمبو نے محسوس کیا کہ اس کی ٹانگیں پھسل رہی ہیں تو وہ بے چارگی سے ناک میں بولا جواب کھنچ کھنچ کر تقریباً پانچ فٹ کی ہو چکی تھی۔ ”یہ میرے بس کی بات نہیں لگتی۔ یہ سن کر دو رنگے اژدھا نے جمبو کو اپنی مضبوط کنڈلی میں لے لیا اور جمبو کے ساتھ اپنی ایڑی چوٹی کا زور یہ کہہ کر لگانے لگا کہ اگر جمبو کو وہ نہیں بچا سکتا تو کوئی مہمان کسی میزبان پر آئندہ بھروسا نہیں کرے گا۔ دونوں کے اکٹھے زور لگانے سے آخر مگرمچھ نے جمبو کی ناک چھوڑ دی۔ جمبو ہانپتا ہوا دوبارہ زمین پر بیٹھ

www.Paksociety.Com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

گیا۔ پھر سب سے پہلے اس نے اژدھا کا شکریہ ادا کیا اور اپنی کھینچی ہوئی ناک جو اب ایک لمبی سونڈ میں تبدیل ہو گئی تھی، اسے قریب کے کیلے کے درخت کی شاخوں میں سکون کے لیے رکھ لیا۔ اژدھا نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ سونڈ کو وہاں رکھ کر انتظار کر رہا ہے کہ وہ سکڑ جائے اور پہلے جیسی ہو جائے۔ اژدھا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا: ''اب یہ ہوتے ہوتے بہت دیر لگے گی۔ ویسے بھی کچھ لوگوں کو یہ کم ہی سمجھ آتی ہے کہ کس بات میں ان کا فائدہ ہے۔'' جمبو تین دن وہیں اس انتظار میں بیٹھا رہا کہ کسی طرح اس کی ناک سکڑ کر جوتے کی طرح ہو جائے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اب اس کی ناک مستقل ایک سونڈ کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

تیسرے دن کے اختتام پر ایک شہد کی مکھی اُڑتی ہوئی آئی اور اس نے جمبو کے دائیں شانے پر ڈنک مارا اور اس سے پہلے کہ جمبو کو سمجھ آئے کہ اس نے کیا کیا ہے، اس نے اپنی سونڈ گھمائی اور مکھی کو اس کی ایک ہی ضرب سے مار ڈالا۔ اژدھے نے اسے کہا: ''یہ لمبی سونڈ کا پہلا فائدہ ہے، تم اپنی چھوٹی ناک سے ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اب کچھ کھانے کی کوشش کرو۔'' جمبو نے ایک دفعہ پھر سوچے بغیر اپنی سونڈ سے لمبی گھاس توڑی۔ اس کا ایک چھوٹا گٹھا بنایا اور اپنی سونڈ سے ایک نوالے کی طرح منہ میں ڈال لیا۔ اژدھے نے جمبو کو بتایا کہ یہ دوسرا فائدہ تھا، تم ایسا چھوٹی ناک سے نہیں کر سکتے تھے اور کیا تمہیں اب جلتے سورج کی گرمی نہیں لگ رہی؟ جمبو کو واقعی بہت گرمی لگ رہی تھی۔ جمبو نے ایک دفعہ پھر سوچے سمجھے بغیر اپنی سونڈ سے ٹھنڈا ٹھنڈا کیچڑ اُٹھایا اور اسے اپنے جسم پر ملنا شروع کر دیا۔ آخر میں اس ٹھنڈے کیچڑ سے اپنے سر پر ایک ٹھنڈی ٹوپی بنا لی جس سے اسے بڑا سکون ملا۔ اژدھے نے دوبارہ گنتی کرتے ہوئے اسے بتایا یہ تیسرا فائدہ تھا جو تم اپنی چھوٹی سی ناک سے ایسا نہیں کر سکتے تھے اور اب تمہارا مار کھانے کا کوئی ارادہ ہے کیا؟'' جمبو نے یہ سن کر فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔ اژدھے نے پھر پوچھا: ''اپنی سونڈ سے کسی کو تھپڑ رسید کرنے کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟'' جمبو نے اس بات پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اژدھے نے جمبو کو خوش خبری سنائی کہ نئی سونڈ سے وہ اب دوسروں کو تھپڑ کا جواب دے سکتا ہے۔ اس کے بعد جمبو نے افریقہ میں اپنی واپسی کا سفر اپنی سونڈ کو اِدھر اُدھر ہلاتے ہوئے شروع کیا۔

اب وہ آسانی سے درختوں سے پھل توڑ سکتا تھا۔ اسے اب ان کے زمین پر گرنے کا انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔ زمین پر اُگی گھاس کو توڑ

> مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
> مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں
>
> علامہ اقبال (بانگِ درا)

کر آسانی سے منہ میں ڈال سکتا تھا، بجائے اس کے کہ گائے بھینسوں کی طرح اپنے گھٹنوں کے بل اسے جھکنا پڑے۔ کوئی شہد کی مکھی اب جرأت نہیں کرتی تھی کہ اسے کاٹنے کے لیے اس کے قریب آئے۔ گرمی کو بھگانے کے لیے وہ کیچڑ کی ٹھنڈی ٹوپی سر پر پہن سکتا تھا۔ اب اگر وہ اُداس ہو کر اپنی ناک میں کوئی گانا گنگناتا تو اس کی آواز کسی پھٹے ہوئے ڈھول سے بھی زیادہ ہوتی۔ پھر اس نے ازراہِ تفنن ایک دریائی بھینسے کو تلاش کیا اور اپنی سونڈ کا تھپڑ رسید کیا۔ باقی وقت وہ خربوزوں کے بیج زمین سے چنتا رہا جو وہ پہلے آتے ہوئے گراتا آیا تھا۔

پھر ایک سرمئی شام وہ اپنے خاندان والوں کے پاس پہنچا تو وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جمبو نے اپنی سونڈ لپیٹ کر چھپائی ہوئی تھی۔ معمول کے مطابق اس کے گھر والے اس کی تجسس بھری طبیعت پر اسے تھوڑی سی مار لگانا چاہتے تھے تو جمبو نے سب کو بتایا۔ ''تم لوگ تھپڑ رسید کرنے کے فن کو ابھی نہیں سمجھتے، میں تمہیں سکھاتا ہوں کہ یہ کیسے رسید کیے جاتے ہیں۔'' اس نے اپنی سونڈ سیدھی کی اور اپنے دو پیارے بھائیوں کو سونڈ سے دو دو تھپڑ رسید کیے۔ وہ درد سے پہلے چیخے اور پھر پوچھنے لگے: ''تم نے یہ فن کہاں سے سیکھا اور یہ تمہاری ناک کا کیا بنا ہے؟'' جمبو نے انہیں بتایا: ''میں نے یہ ناک لیمپوپو ندی کے کنارے مگرمچھ سے لی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ رات کے کھانے میں کیا کھاتا ہے تو اس نے مجھے یہ تحفے میں دی ہے۔'' ان کے رشتہ دار بالوں والے بندر نے ناک چڑھا کر کہا کہ یہ بہت بھدی لگتی ہے۔ جمبو نے اسے جواب میں کہا: ''واقعی! لیکن اس کے بہت فائدے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے بندر کو سونڈ میں اُٹھایا اور پورے زور سے جنگل کی طرف اُچھال دیا۔ اس کے بعد اس بُرے ہاتھی کے بچے نے خاصی دیر اپنے خاندان کے افراد کی دھنائی اپنی سونڈ سے کی۔ اب وہ مار کھا کر ویسے ہی حیران تھے جیسے جمبو ہوا کرتا تھا۔ مار کھانے کے بعد وہ جمبو کی سونڈ سے اتنے متاثر ہوئے کہ ایک کے بعد ایک لیمپوپو ندی کی طرف چلے تاکہ مگرمچھ سے سونڈ لے سکیں۔ پھر جب واپس آئے تو اب وہ ایک دوسرے کو تھپڑ رسید نہیں کر رہے تھے حالاں کہ اب ان سب کی سونڈ ویسی ہی تھی جیسی ہمارے جمبو کی تھی۔ پیارے بچو! اس طرح ہاتھیوں کو لمبی سونڈ ملی تھی۔

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

یورپ کے مسلم ممالک

جنوب مشرقی یورپ میں اگرچہ بہت سے مسلمان بستے ہیں مگر تین ممالک بوسنیا، کوسوو اور البانیہ مسلمان ممالک ہیں۔ علاوہ ازیں پانچ فی صد ترکی کا رقبہ بھی یورپ میں شامل ہے۔

1- **بوسنیا ہرزیگوینا:** یہ جنوب مشرقی یورپ کا مسلمان ملک ہے۔ یہ مجمع الجزائر اور بلقان کا ایک جمہوری ملک ہے۔ اس کے مغرب میں سربیا، مشرق میں یوگوسلاویہ شامل ہیں۔ 50 فی صد رقبہ پر پہاڑ ہیں۔ اس کی آبادی 60 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں سلاو، کروشیائی اور سرب قومیں آباد ہیں۔ بوسنیا کا رقبہ 51233 مربع کلومیٹر ہے۔ اس اعتبار سے 200 افراد فی مربع میل میں بستے ہیں۔ ساحل 13 میل لمبا ہے۔ سراجیو ملک کا دارالحکومت ہے۔ بانجالوکا برکو، زلا، جبلانکا اور بہاک مشہور شہر ہیں۔

سربوکروشین ملک کی سرکاری زبان ہے۔ اس کا اپنا سرکاری سکہ ہے جسے دینار کہتے ہیں۔ اہم زرعی پیداوار میں تمباکو، گندم، چنے، جوار، باجرہ، مکئی، پھل، مویشی وغیرہ ہیں۔ یہاں کوئلہ، لگنائٹ، باکسائیٹ، زنک اور سیسہ جیسی معدنیات شامل ہیں۔ بوسنیا میں خواندگی کا تناسب 90 فی صد ہے۔ بوسنیا میں صحت کا میدان کافی ترقی کر گیا ہے۔ 30 افراد کے حصے میں ایک بستر ہے۔ یہاں صدارتی طرزِ حکومت قائم ہے۔ پارلیمنٹ دو ایوانی ہے۔ ایوان نمائندگان کی تعداد 42 اور دارالعوام کی تعداد 15 ہے۔ پہلا آئین 10 اپریل 1994ء میں نافذ کیا گیا۔

تاریخی پس منظر: چودھویں صدی عیسوی میں بوسنیا سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا۔ غازی عثمان نے اس کی بنیاد رکھی۔ 1398ء میں جنگ کسود ہوئی جس میں عثمانی ترکوں نے ہنگری اور آسٹریا کو شکست سے دوچار کر کے کسوو اور بوسنیا پر قبضہ کر لیا۔ 1878ء میں آسٹریا کا قبضہ ہو گیا۔ آسٹریا ٹکڑے ہوا تو بوسنیا کا وفاق یوگوسلاویہ کی صورت میں تشکیل پایا۔ 15 اکتوبر 1991ء کو بوسنیا کی پارلیمنٹ نے اعلانِ آزادی کر دیا۔ 29 فروری 1992ء کو بوسنیا کی آزادی کی خاطر ریفرنڈم ہوا۔ بہت بڑی تعداد نے رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود آزادی کے حق میں ووٹ دیے۔ 21 مئی 1992ء کو اقوام متحدہ کی رکنیت ملی۔ یورپی مشترکہ منڈی کی رکنیت 17 اپریل 1992ء کو ملی۔ اقوام متحدہ اور او آئی سی کی بھرپور حمایت ملتی رہی اور سربیا کی بے انصافیوں اور ظلم سے مکمل نجات ملی اور ڈیٹن میں 22 نومبر 1995ء کو امن معاہدہ ہوا۔

2- **کوسوو:** کوسوو کا کل رقبہ 10908 مربع کلومیٹر ہے۔ یوگوسلاویہ کے دور میں کوسوو کو Autonomous Province of Kosovo کہا جاتا تھا۔ کوسوو مین بیلی، ڈرم اور لبار مشہور دریا ہیں۔ اس کی آبادی 30 لاکھ لوگوں پر مشتمل ہے۔ ڈار آنار کے ایلیون قبیلے کی موجودگی کے آثار ملے ہیں۔ بعد ازاں یہ علاقہ بازنطینی سلطنت میں ضم کر دیا گیا۔ 13 ویں صدی میں عثمانی خلیفہ نے مسلم ریاست میں شامل کرا دیا۔ یہاں مسلمان آبادی تقریباً 62 فی صد کے قریب ہے۔ آریائی نسل کی کثرت ہے۔ اس کا کل رقبہ 11 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ دارالحکومت کا نام پرسٹینا ہے۔ معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ 1991ء کے ریفرنڈم میں 99 فی صد

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

عوام نے آزادی کے حق میں ووٹ دیئے۔ سربوں نے یہاں بہت سے بے گناہ بچوں اور عورتوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور 500 کے قریب بستیاں تباہ کر دیں، مگر او آئی سی اور اقوام متحدہ میں مسلمانوں کی کوششیں رنگ لے آئیں۔ ہاشم ساقی اور ابراہیم رگووا کے درمیان 28 اکتوبر 2000ء میں انتخابات ہو چکے ہیں۔

3- **البانیہ**: البانیہ جنوب مشرقی یورپ میں پہلی یورپی اسلامی مملکت ہے۔ اس کا حدود اربعہ یوں ہے۔ اس کے شمال مشرق میں یوگو سلاویہ اور جنوب میں یونان اور جنوب مشرق بحیرہ ایڈریاٹک ہے۔ 1912ء میں البانیہ کو ترکی سے جدا کر دیا گیا۔ 1946ء میں آزاد جمہوریہ ملک بنا۔ البانیہ کی آبادی 80 کروڑ ہے جس میں 83 فی صد آبادی مسلمان ہے۔ اس کا سکہ لیک (LEK) ہے۔ البانیہ میں کئی تاریخی مقامات ہیں۔ البانیہ جنگلات کی دولت سے مالا مال خوب صورت ملک ہے۔ انور یہاں صدر رہے ہیں۔ البانیہ کا صحت و تعلیم کے میدان میں مسلمان ممالک میں اچھا شمار ہوتا ہے۔ ترانہ ملک کا دارالخلافہ ہے۔ البانوی ملک کی زبان ہے۔ یونانی بھی بولی جاتی ہے۔ کوہ کورابی، البانیہ کا بلند ترین پہاڑ ہے۔ اس کی بلندی 9028 فٹ ہے۔ ویلو، سراندے اور دریز بندرگاہیں ہیں۔ البانیہ میں غیر ملکی قرضوں پر پابندی ہے۔ البانیہ میں اعلیٰ قسم کی زیتون بہت زیادہ ہے۔ یہاں 8 فی صد آبادی یونانی ہے۔ بڑے شہروں میں سکوتری، دوازو، براندے، الباسان ہیں۔ البانیہ کا کل رقبہ 28748 مربع کلو میٹر ہے۔ 28 نومبر 1912ء کو اسماعیل کمال نے اعلانِ آزادی کر دیا۔

ریناک میں بین الاقوامی ہوائی اڈہ ہے۔ کوئلہ، کرومیم اور تانبا یہاں کی مشہور معدنیات ہیں۔ البانیہ کی پارلیمنٹ یک ایوانی ہے۔ پارلیمنٹ کو کووند پاپولری کہتے ہیں۔ پیپلز اسمبلی نے اکتوبر 1998ء میں آئین منظور کیا۔ 1911ء میں یہ ملک آزاد ہو گیا تھا مگر 1939ء میں پھر اٹلی قابض ہو گیا جس کی وجہ البانیہ اٹلی سے لیا گیا قرض واپس نہ کر سکا تھا لیکن 1944ء میں یہ ملک پھر آزاد کرا لیا گیا۔ آزادی کے بعد البانیہ سوشلسٹ جمہوریہ بنا۔ 1999ء میں البانیہ نے کوسوو کے 46500 مہاجرین کو پناہ دی۔

4- **ترکی**: ترکی کے تین اطراف پہاڑ ہیں۔ ترکی کی سرحد عراق، ایران، آذربائیجان، آرمیںیا، یونان، جارجیا سے ملتی ہیں۔ اس کا کل رقبہ 488100 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی بارہ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ ترکی دو براعظموں، یورپ اور ایشیاء میں منقسم ہے۔ 95 فی صد حصہ ایشیاء اور 5 فی صد حصہ یورپ میں واقع ہے۔ سکے کا نام ترکی لیرا ہے۔

ترکی کا ساحل سمندر کا رقبہ بہت بڑا ہے۔ ترکی میں ہر طرح کے علاقے اور موسم پائے جاتے ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے ترکی بہت بڑی دفاعی قوت تھی۔ ترک عوام علم، ذہانت، بہادری اور سیاسی شعور کے حوالے سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ 1918ء میں چند یورپی سازشیوں نے ترکی سے معاہدہ سیورے پر دستخط کروائے لیکن ترک عوام جو ہمیشہ غلامی کو رد کرتے رہے جنگ عظیم اوّل میں اگرچہ ترکی کا دوست ملک جرمنی ہار گیا مگر ترکوں نے ہار قبول نہ کی تھی اور معاہدہ سیورے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اتحادی عالمی افواج کے خلاف ترکی تن تنہا لڑنے پر تیار تھا اور کمال اتاترک نے اتحادی فوج جو اقتدار کے شدید بھوکے تھے انہیں زبردست شکست دے کر ناکوں کے بل چنے چبوا دیئے۔ فرانسیسی فوجوں کو سیسلیشیا سے بھگا دیا۔ آرمیںیا پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ عصمت انونو کے مقام پر یونانیوں نے کمال اتاترک کی فوج سے شکست کھائی اور یونانی دم دبا کر بھاگ گئے۔ اس طرح تھریس اور اناطولیہ پر قبضہ ہو گیا۔ برطانیہ، روس اور اٹلی میں ترکی سے لڑنے کے لیے طاقت نہ تھی لہٰذا انہیں نے بہتر سمجھا کہ ترکی کی نئی حکومت تسلیم کر کے تعلقات بہتر بنائے جائیں۔ ترکی کے مقبوضہ علاقوں پر ترکی کا اقتدار تسلیم کیا گیا۔

تاریخی پس منظر: ترکی قدیم ترین سلطنت ہے۔ استنبول پر یونانی اور رومیوں کا قبضہ رہا۔ بازنطینی دور میں بھی استنبول دارالخلافہ تھا۔ سلطان محمد دوئم عثمانی نے نہایت حکمت عملی سے ترکی پر قبضہ کیا۔ جب 1974ء میں قبرص پر یونان نے قبضہ کرنا چاہا تو ترکی نے مظلوم قبرصیوں کی مدد کی اور یونان کو قبضہ نہ کرنے دیا۔

ترکی میں 1960ء کو مارشل لاء لگا۔ بالآخر سیاسی قوت پر عوام کا دور آ گیا۔ صدر کا انتخاب سات سال کے لیے ہوتا ہے۔ ترکی کی قومی اسمبلی کی 550 نشستیں ہیں۔

ترکی ایک ترقی یافتہ ملک: ترکی میں 98 فی صد عوام مسلمان ہیں۔ ترکی نے حالیہ دنوں صحت و تعلیم کے میدان میں ترقی یافتہ ملک کا مقام حاصل کر لیا ہے۔ ترکی میں ہر پڑوسی ملک الغرض روس تک ریل کے ذریعے سفر کیا جا سکتا ہے۔ ترکی میں انجیر، زیتون، سنگترہ اور سیب جیسے پھل بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ فصلوں میں گندم اور مکئی پہلے نمبر پر ہیں۔ مشہور شہروں میں انقرہ، ازمیر، برسا اور استنبول ہیں۔ ترکی میں 30 فی صد رقبہ پر جنگلات ہیں۔ ترکی ایک جدید دفاعی ملک بھی ہے۔ ترکی یورپی یونین کا حصہ دار بننے کا خواہش مند ہے۔ ☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سائنس دان عرصہ دراز سے اس امر پر تحقیق کر رہے ہیں کہ ڈولفن اور وہیل نیز آدم نما جانوروں مثلاً چمپنزی اور گوریلا میں بات چیت کی کیسی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ سب جانور اشاروں، زبانی یا صوتی لحاظ سے باتیں کرتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ماہرین نے بولنے والے طوطوں پر بہت کم تحقیق کی ہے جو حیرت انگیز مشابہت کے ساتھ انسانی آوازیں نکال سکتے ہیں۔ یہ طوطے عرصہ دو ہزار سال سے اپنی دل چسپ حرکات اور مختلف باتوں سے اپنے مالکوں کا دل بہلاتے آ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں ان کی بے شمار قسمیں پیدا کی ہیں۔ دُنیا بھر میں اس کی 330 اقسام پائی جاتی ہیں۔ ماہرین حیوانات نے انہیں ایک خاندان پسیٹا سیڈیا (Psittacidae) میں جمع کر رکھا ہے۔ کاکاٹو (Cockatoo) ان کے قریبی رشتہ دار ہیں یہ بھی طوطے کہلاتے ہیں۔ دُنیا کے گرم ممالک مثلاً بھارت، پاکستان، جنوب مشرقی ایشیاء اور مغربی افریقہ میں طوطے عام ملتے ہیں۔ تاہم طوطوں کی زیادہ اقسام آسٹریلیا، جنوبی امریکا اور وسطی امریکا میں پائی جاتی ہیں۔

طوطا بہت خوب صورت پرندہ ہے۔ لوگ اسے بڑے شوق سے پالتے ہیں۔ پُرانے قصے کہانیوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ ان کہانیوں سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ طوطا ان پرندوں میں سے ہے جسے زمانہ قدیم ہی سے انسان پالتا آ رہا ہے۔

ہمارے ہاں دو قسم کے طوطے عام ہوتے ہیں۔ گلابی کنٹھ والے طوطے یعنی کاٹھے طوطے اور اسکندری طوطے یعنی را طوطے۔ پہلی قسم کا طوطا کثرت سے ملتا ہے۔ اسکندری طوطا ایک سمجھ دار پرندہ ہے کیوں کہ خوش طبع لوگوں کا دل بہلاوا ہے اور بڑے شوق سے پالا جاتا ہے۔

طوطے گھونسلا بنا کر نہیں رہتے بلکہ درختوں کی کھوؤں میں رہتے ہیں جو انسانی دسترس سے دُور ہوتے ہیں۔ مادہ دو سے پانچ تک انڈے دیتی ہے جو چھوٹے اور سفید ہوتے ہیں۔

طوطے کی زبان چھوٹی مگر موٹی ہوتی ہے اس لیے یہ انسان کی طرح باتیں کر سکتا ہے اور سکھانے سے بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔ طوطے کے پاؤں میں چار چار انگلیاں ہوتی ہیں۔ دو انگلیاں آگے کو اور دو پیچھے کو مڑی ہوتی ہیں۔ پاؤں سے طوطا ہاتھ کا کام لیتا ہے۔ ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر دوسرے پاؤں میں کھانے کی چیز پکڑ لیتا ہے اور کھا جاتا ہے۔ اس کی چونچ سخت ہوتی ہے جس کا اوپر کا حصہ مڑا ہوتا ہے اور نوک بہت تیز ہوتی ہے۔

طوطے پھل اور بیج کھاتے ہیں۔ امرود، آم، آلو، اخروٹ، انجیر، بیر، روٹی، گھی کی چوری بسکٹ، مکئی اور سورج مکھی کے بیج ان کے پسندیدہ کھاجا ہیں۔ پالتو طوطے کو ہمیشہ اچھی خوراک وقت پر

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

دینی چاہیے۔ کڑوے بادام اور گوشت نہیں دینا چاہیے۔

طوطے کو باتیں سکھانے کے لیے کافی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے لیے عام طور پر لوگ آئینے کی مدد لیتے ہیں۔طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر ایک آدمی چھپ کر باتیں کرتا ہے۔طوطا شیشے میں اپنا عکس دیکھ کر سمجھتا ہے کہ سامنے کوئی دوسرا طوطا باتیں کر رہا ہے۔ چناں چہ وہ بھی اس کی نقل اُتارنے کی کوشش کرتا ہے اور باتیں کرنے لگتا ہے۔شروع شروع میں وہ چھوٹے فقرے سیکھ جاتا ہے اور پھر آئینہ کے بغیر ہی کئی فقرے یاد کر لیتا ہے اور انہیں دہراتا رہتا ہے۔

طوطا دراصل کئی قسم کی آوازیں نکالنے پر قدرت رکھتا ہے۔ خاص طور پر انسانی آواز کی نقل اُتارنے کی غیر معمولی صلاحیت اسے تمام پرندوں میں ممتاز کرتی ہے۔ مزید برآں وہ کئی مشینی آوازیں بھی نکال سکتا ہے مثلاً سیٹی، کارخانے کی گھنٹی وغیرہ۔

طوطے کی بولیوں کا انداز مسحور کن ہونے کے ساتھ ساتھ تفریح بخش بھی ہے۔بعض طوطے تو مختلف اقسام کی آوازیں نکالنے کے ماہر ہیں۔ جنگل میں ہوں یا پنجرے میں دوسروں کا دل بہلائے رکھتے ہیں۔ طوطے کو انسانی بولی سکھانا ایک مشکل مرحلہ ہے لیکن جب وہ سیکھ جائے تو پھر بہت جلد مختلف جملے بنانا سیکھ جاتا ہے مثلاً ”میاں مٹھو چوری کھاؤ گے؟“

بعض طوطے اتنے ذہین ہوتے ہیں کہ انہیں جو بھی باتیں بتائی جائیں، یاد کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے ننانوے نام اور قرآن پاک کی چھوٹی چھوٹی آیات مبارکہ بھی۔ ہر روز صبح سویرے ان کا ورد کرتے ہیں۔

کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ طوطا بولنے والے جملے کا مطلب نہیں سمجھتا اسے جو کچھ رٹایا جائے وہ اسے دہراتا رہتا ہے مگر اس کے برعکس کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ طوطا اپنے کہے ہوئے جملے کو بخوبی سمجھتا اور اپنا دماغ استعمال کرتا ہے۔

افریقی خاکستری طوطے پالنے والوں کا دعویٰ ہے کہ تربیت دینے پر وہ نہ صرف جملے سمجھ سکتا ہے بلکہ اشیاء بھی شناخت کر سکتا ہے۔

مشہور ماہر طیوریات ڈورسٹ آوسٹر کہتے ہیں پرندوں کی دنیا میں طوطے دیگر پرندوں سے زیادہ مختلف اور انوکھے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ طوطے کا خاندان بہت قدیم اور علیحدہ ہے یعنی کوئی بھی پرندہ ان کا قریبی رشتہ دار نہیں۔

ماہر حیوانات انہیں کبوتروں اور ککو کے درمیان رکھتے ہیں۔ تاہم قدرت کے نظام میں طوطوں کی جگہ غیر معمولی ہے۔ پھر یہ خاندان بھی معمولی نہیں، اس میں قسم قسم کے طوطے موجود ہیں۔ مثلاً میکاؤ، کاکاٹو، ایمیزنی، افریقی طوطے، لورک، پاراکیت، بجریکا وغیرہ ان میں بولنے، چیخنے، نقل اُتارنے اور سیٹی بجانے والے بھی ملتے ہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ طوطے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں مثلاً کیا (Kea) جو نیوزی لینڈ کی جنوبی پہاڑیوں پر پایا جاتا ہے، سفید ہوتا ہے۔

خاندان طوطیا کا ایک اور انوکھا رکن ارضی طوطا ہے۔ یہ زمین پر اپنا گھونسلا بناتا اور ضرورت پڑنے پر سرنگ بھی کھود لیتا ہے۔ خوش ہو تو گھاس پر دوڑتا پھرتا ہے۔

طوطے تیس سے پچاس سال عمر رکھتے ہیں۔ بڑی نسل کے مست الو جو طوطے اسی برس تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ کئی طوطے ٹیلی فون کی گھنٹی کی مانند آواز نکال سکتے ہیں۔ وہ ”ہیلو“ کہنے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ مالکان اپنے طوطوں کو ٹیلی فون پر گفتگو کرنا بھی سکھاتے ہیں، مثلاً نیلے سینے والا ایمیزنی طوطا کچھ یوں بات کرتا ہے۔ ”ہیلو! آپ کیسے ہیں؟ او کے خدا حافظ۔“ کبھی کبھی تو دوسری طرف والے کو پتا بھی نہیں چلتا کہ وہ کسی طوطے سے بات کر رہا ہے۔ ماہرین کی تحقیق کے مطابق بولنا سیکھنے والے طوطوں میں زیادہ تر نر ہوتے ہیں۔ طوطا کچھ نہ کچھ سمجھ بوجھ ضرور رکھتا ہے اگر ماہرین طوطوں پر تجربات کریں تو وہ بہت کچھ جان سکتے ہیں۔

آسٹریلیا کے طوطے ہمارے ہاں کے طوطوں سے نہ صرف قد میں چھوٹے ہوتے ہیں بلکہ ان کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ افریقہ کا طوطا خاصا بڑا ہوتا ہے۔ اس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ آواز کوے جیسی ہوتی ہے زنجبار کا طوطا سفید ہوتا ہے۔ اس کے سر پر کلغی اور چونچ سیاہ ہوتی ہے۔ پاکستانی طوطے کے پروں کا رنگ سبز اور چونچ گہرے سرخ رنگ کی ہوتی ہے۔ اس کو ”گلرتہ“ بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے طوطے کو بہت خوب صورت بنایا ہے۔ لمبی دُم، مٹر کے دانوں کی طرح آنکھیں، چپٹا اور گول سر، چونچ بے حد نوکیلی اور اندر کو مڑی ہوئی۔ طوطے ہمیں پیغام دیتے ہیں کہ ہمیں تنگ نہ کیا جائے، اس سے ہمارا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ ہم سے محبت کا سلوک کیا جائے کیوں کہ محبت غیروں کو بھی اپنا بنا لیتی ہے۔

اگر ہمیں گھروں میں بطور پالتو جانور رکھنا ہو تو ہماری خوراک کا دھیان رکھیں۔ پنجرہ صاف ستھرا، ہوادار اور کھلا ہو کہ ہم آزادی سے اِدھر اُدھر گھوم سکیں۔

☆☆☆

www.Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں؟ —

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

WWW.PAKSOCIETY.COM

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10/ اگست 2015ء ہے۔

جولائی 2015ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- جس کا کام وہی کر پائے، دوسرا کرے تو نقصان اٹھائے (عبید اللہ بن محمد اعظم، فیصل آباد)
- نہ کر دیکھیو پریشان، میرا بھالو ہے نادان (ایمن فاطمہ، ملتان)
- ہائے ممی بچائیے! پھر نہ شہد کھاؤں گا (محمد نواز مرزا، فیصل آباد)
- طویلے کی بلا بندر کے سر (شگفتہ امین، گوجرانوالہ)
- بھالو ہے شہد کا بے حد شوقین
  کھیاں اب اسے کریں گے مزید موٹا ترین (نعمان یوسف، گجرات)

www.Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہونہار مصور

فیروز سنز بک شاپ

تصاویر صرف افقی رخ میں ہی بنائیں۔

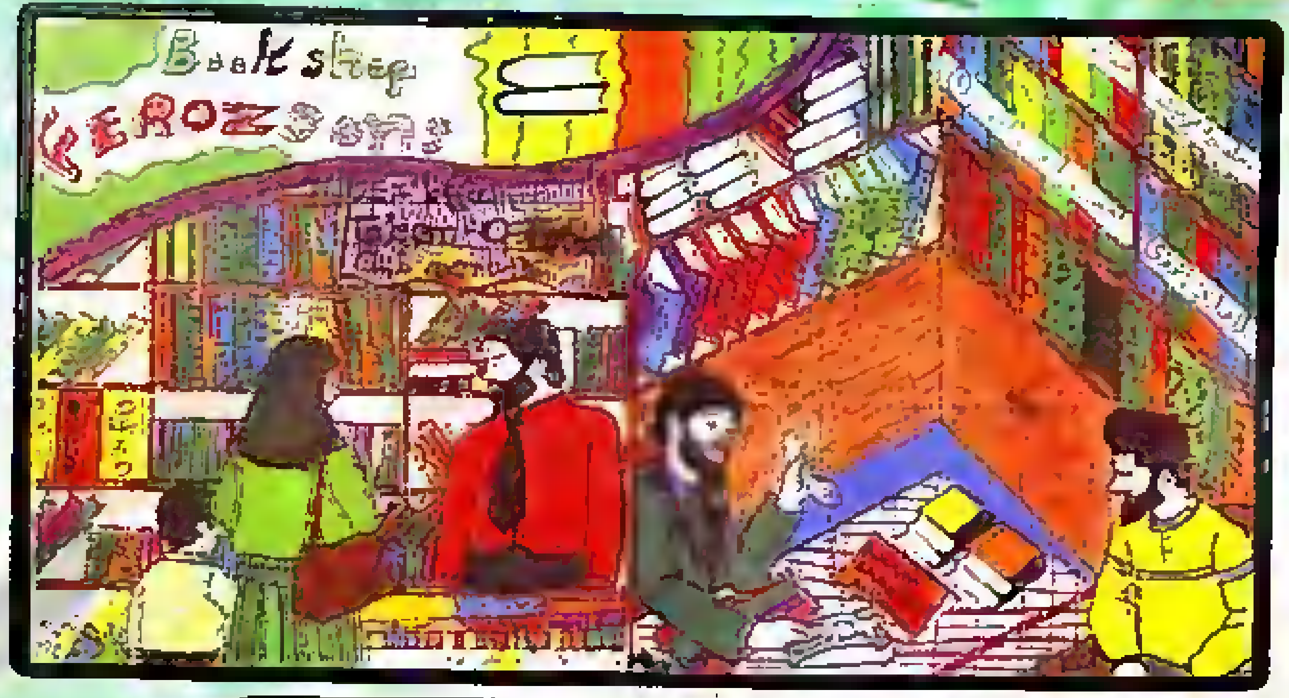

حبیب اللہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)

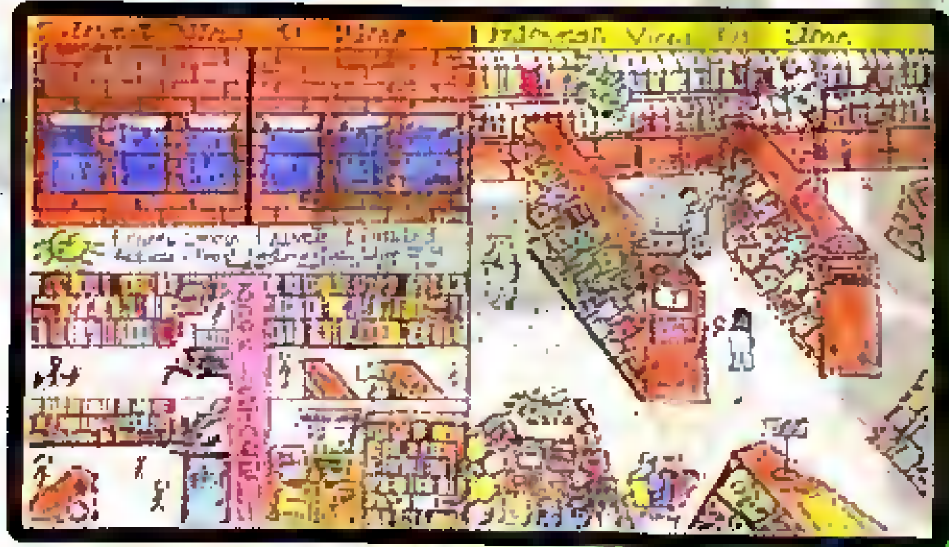

کشف طاہر، لاہور (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

ثمرہ غفار، رحیم یار خان (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

عروبہ زمان، چکوال (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

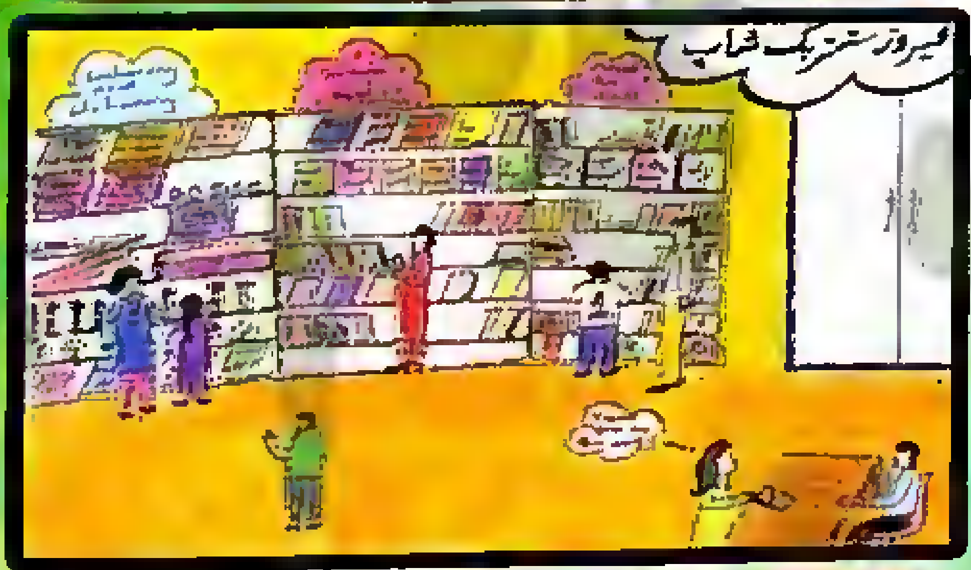

جویریہ یونس، لاہور (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: محمد عبداللہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ مقدس چوہدری، راول پنڈی۔ سیدہ تحریم مختار، لاہور۔ آمنہ اقبال، دیبا فاطمہ اقبال، تلہ گنگ چکوال۔ آمنہ ظفر، لاہور۔ سیدہ توقیر، کراچی۔ عائشہ ظفر، رحیم یار خان۔ محمد عبداللہ بن ظفر، لاہور۔ محمد زبیر جمشید علی، خانیوال۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ ایمن امین، گوجرانوالہ۔ نورنظر محمود، لاہور۔ حائقہ کامران، راول پنڈی۔ ایمان زہرہ، لاہور۔ زوہیب علی، راول پنڈی۔ رومیسہ عارف، رحیم یار خان۔ زنیرہ جاوید بٹ، گوجرانوالہ۔ ایمن مقصود، بہاول پور۔ فاطمہ بتول، لاہور۔ وجیہہ خلیل، گوجرانوالہ۔ لیبا فاطمہ، رحیم یار خان۔ ملائکہ رؤف، لاہور۔ میمونہ شہزاد، سرگودھا۔ زینب اظہر، وزیر آباد۔ محمد آصف، پشاور۔ بینش اشفاق، کراچی۔ روحی اظہر، حیدر آباد۔ شفق فاطمہ، ملتان۔ محمد نبیل، شیخوپورہ۔ آفاق احمد، خانیوال۔ عامر اسلم، فیصل آباد۔ طلعت حسین، جہلم۔ آصفہ رشید، کراچی۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور سکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

اگست کا موضوع

آخری تاریخ 8 اگست

ستمبر کا موضوع یوم دفاع

آخری تاریخ 8 ستمبر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

The Taleem-o-Tarbiat, Lahore
PAKISTAN'S MOST WIDELY READ URDU MAGAZINE FOR CHILDREN OF ALL AGES

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY